اسلام میں رواداری کی تعلیم
اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک غیروں کے ساتھ

از جناب مولوی شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی

قبل اس کے کہ ہم اسلام میں غیر مسلموں سے رواداری کے مضمون پر تفصیل کے ساتھ بحث کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ بتائیں کہ رواداری کسے کہتے ہیں؟ اور اسلام سے پہلے متمدن اقوام دوسرے لوگوں سے کس قسم کا برتاؤ کرتی تھیں. تاکہ اس بات کا اندازہ آسانی کے ساتھ لگایا جاسکے کہ اسلام اور دیگر قوموں میں کیا اور کس قدر فرق ہے اور یہ کہ اسلام دنیا اور دنیا والوں کے لئے کہاں تک رحمت ثابت ہوا۔

رواداری کی تعریف | اپنے مخالف مذہب لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور مراعات سے پیش آنا۔ ان کے حق میں کوئی ایسی سخت بات نہ کہنا جو ان کی آزردگی اور دلآزاری کا موجب ہو۔ ان سے اخلاق نرمی اور ملائمت سے معاملہ کرنا، ان کو اپنے مذہب میں آزادئ ضمیر کا حق دینا۔ ضرورت پر ان کی امداد و ہمدردی کرنا مصیبت اور مشکل میں ان کی اعانت کرنا۔ ان سے اپنے دل میں کینہ اور بغض نہ رکھنا۔ ان کو اپنے ہی جیسا انسان اور اپنے ہی مانند خدا کی مخلوق سمجھنا۔ ان پر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ظلم و زیادتی نہ کرنا۔ ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھنا۔ یہ ہے "رواداری" کی تعریف اور یہی ہے اس برتاؤ کی تفصیل جس پر ہر مہذب انسان کو کاربند ہونا چاہئے۔

آیئے پہلے آپ کو دکھائیں کہ اسلام سے پہلے دنیا کی مشہور، متمدن اور مہذب قوموں نے اپنے علاوہ دوسری قوموں کے ساتھ کہاں تک ان باتوں کو نبھایا اور ان کا سلوک دیگر اقوام کے ساتھ کیا اور کیسا تھا؟

اسلام سے پہلے رواداری کے لحاظ سے متمدن اقوام کی حالت

ہندوستان قدیم کے آریہ ہندوستان کو اپنے قدیم تمدن و تہذیب اور معاشرت پر ناز ہے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کہ اس سے قدیم کوئی تمدن نہیں اور نہ اس سے اعلیٰ اور افضل کوئی تہذیب ہے اس لئے یہی مناسب ہے کہ سب سے پہلے اسی سے شروع کروں۔

ہندوستان کے قدیم اور اصلی باشندے وہ لوگ [illegible] اور بھیل وغیرہ ناموں سے اب بھی وسطِ ہند کے پہاڑوں میں منہ چھپائے ہوئے موجود ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ یہی لوگ ہندوستان کے مالک اور شمالی ملک پر قابض تھے۔ یکایک ایک سیلاب عظیم وسطِ ایشیا سے اٹھا اور ہندوستان کے شمالی حصے سے داخل ہو کر اندرونِ ملک میں پھیل گیا۔ جہاں جہاں اس سیلاب کے قدم گئے وہاں تباہی، بربادی اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ آریہ فاتحین کے مقابلہ میں جو صورت، شکل، تہذیب و تمدن اور چستی و چالاکی میں اصل باشندگانِ ملک سے بدرجہا زیادہ فائق تھے۔ ان جنگلیوں اور وحشیوں کا کیا حق تھا کہ خدائی زمین پر آزادی کے ساتھ رہنے پائیں؟ دراصل اس میں بیچارے آریوں کا بھی کچھ قصور نہ تھا۔ وہ بھی مجبور تھے کیونکہ ان کو مخالفوں کے لئے یہی ہدایت تھی کہ "ان کو زندہ آگ میں جلا کر خاک سیاہ کر دو"[۵۱]

انھیں یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ جو ممکن طریقہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کو تکلیف اور اذیت پہنچانے کا سمجھ میں آئے وہ اٹھا نہ رکھیں یہاں تک کہ صاف حکم تھا کہ "جو تم سے دشمنی رکھے یا جس سے تم دشمنی رکھو اسے زندہ حالت میں شیر اور درندوں کے منہ میں ٹھونس دو"[۵۲]۔ خدا کی پناہ۔ اس ہولناک سزا پر سخت سے سخت دل انسان کا بھی دل کانپ اٹھتا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ شیر کے منہ میں ٹھونسنے والے بدنصیب انسان کا قصور صرف اتنا ہے کہ اعلیٰ مہذب اور تعلیم یافتہ انسان نے اس سے دشمنی رکھی۔ اس کا کوئی سوال نہیں کہ دشمنی کیوں اور کس لئے رکھی؟ مطلب تو صرف یہ ہے کہ دشمنی رکھی۔

ان کو یہ دعا مانگنے کی ہدایت کی گئی تھی کہ "جو ہم لوگوں سے بیر رکھتا ہے اور ہم لوگ جس سے

---

۵۱ یجروید ادھیائے ۱۳ - منتر ۱۲ - ۵۲ ایضاً ۱۵-۱۵

بیر رکھتے ہیں اس کے لئے تمام ماکولات اور پانی دکھ دینے والے دشمن کی مانند ثابت ہوں[۱] یعنی دشمن کے لئے پانی زہر کا کام کرے اور ساگ پات وغیرہ جو وہ کھائے وہ اس کے پھوٹ پھوٹ کر نکلے۔

چنانچہ آریوں نے ان ہدایات پر پورا پورا عمل کیا۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ملک کے اصلی اور حقیقی باشندوں نے بھاگ کر یا تو پہاڑوں اور کھوؤں میں اپنی جان بچائی۔ جہاں سے ان مظلوموں کو آج تک نکلنا نصیب نہیں ہوا، ورنہ فاتح اور مقدس لوگوں کے غلام بنے۔[۲]

منوسمرتی کے ہولناک قوانین

یہیں پر بس نہیں جب تمام ملک پر قبضہ ہوگیا تو پھر ملکی اور معاشرتی قوانین منضبط ہوئے جو منوسمرتی کے نام سے آج ہر جگہ ملتے ہیں اور نہایت ہی مستند اور قابل عمل سمجھے جاتے ہیں اس کو ملاحظہ فرمایئے تو ایسی ایسی حیرت انگیز اور خوفناک باتیں اس میں ملیں گی جن کے صرف خیال سے ہی بدن لرزنے لگتا ہے۔ دنیا میں جو ذلیل سے ذلیل اور بد تر سے بد تر حالت ذہن میں آسکتی ہے یا تصور میں گذر سکتی ہے وہ اس قوم کے لئے مخصوص کی گئی تھی جس کا نام محض اپنی طاقت، سلطنت اور علم وتہذیب کے غرور میں شودر (خدمتگار) رکھا گیا تھا۔ یہ غریب قوم اس خطاب کی صرف اس لئے مستحق قرار پائی کہ وہ اتنی تعلیم یافتہ، اتنی طاقتور، اتنی مہذب نہیں تھی جتنی کہ منو مہاراج کے ہم قوم افراد۔ اگر برہمن دیوتا کسی شودر کو جان سے مار ڈالے تو اس کا پاپ زیادہ سے زیادہ اتنا ہوگا جتنا کسی چھپکلی یا مینڈک وغیرہ جانور کے مار ڈالنے کا۔ لیکن اگر بد قسمت شودر مقدس برہمن کے قریب بھی بیٹھ جائے تو یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا میں لکھا ہے کہ شودر کے بیٹھنے کی جگہ کا گوشت کاٹ ڈالا جائے۔ وید جو آسمانی اور الہامی کتاب ہے اگر ناپاک شودر اپنی بد قسمتی سے اس کا کوئی لفظ کہیں سن پائے تو منوسمرتی کا حکم ہے کہ سیسہ گرم کرکے اس کے کان میں ڈالدیا جائے۔ اگر شودر اتنی جرأت کر بیٹھے کہ کسی برہمن کو گالی دیدے تو اس کے متعلق قانون ہے کہ بلا تامل اس کی زبان کاٹ لی جائے۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے سارا منوشاستر ایسی ہی ہولناک

---

[۱] یجروید ادھیائے ۶ منتر ۲۲۔ [۲] مسٹر کے ایم پانیکار ایم اے اڈیٹر ہندوستان ٹائمز کی کتاب تاریخ ہند قدیم ص ۶۔

سزاؤں سے بھرا پڑا ہے۔

قدیم رومی اقوام | ہندوستان سے آگے بڑھئے۔ روما کی تہذیب ساری دنیا میں مشہور ہے۔ وہاں ساری مفتوحہ قومیں غلام سمجھی جاتی تھیں اور سخت تعجب ہے کہ باایں تہذیب و شائستگی وہاں ان کی حالت ہندوستان کے شودروں سے بھی بدتر تھی۔ چنانچہ الفنسٹن اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے کہ "بہرکیف شودر فرقے کی حالت قدیم زمانہ کی جمہوری سلطنتوں کے غلاموں سے ہر حالت میں بہتر تھی۔"

ملکِ شام کے عیسائی جو اہی رومن بادشاہوں کی رعایا تھے ان کو اپنی زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہ تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائداد خیال کئے جاتے تھے اور بالکل غلامانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے وقت وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل ہوتے تھے وہی قابض مال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اس رومن شہنشاہی میں عیسائیوں سے بھی بدتر تھا۔ اور ہرگز اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے بھی ان پر رعایا کا اطلاق کیا جا سکے۔ (الفاروق ج ۲ ص ۱۹۸)

قدیم اسپین کی حالت | رومن شہنشاہی کی یہی کیفیت اسپین میں اس وقت تھی جب یہ جزیرہ نما قیصرانِ روم کے زیرِ اقتدار تھا۔ چنانچہ ہالینڈ کا مشہور مورخ ڈوزی اپنی "تاریخ سپین" میں لکھتا ہے کہ اسپین کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف وسیع علاقوں اور جائیدادوں کے مالک تھے جن کو لٹی فندی کہتے تھے اور دوسری طرف ایک بے شمار انبوہ شہروں کے مفلس باشندوں کا تھا جو سارے کے سارے غلام سمجھے جاتے تھے۔ گورنر، مجسٹریٹ، حاکم اور تمام دولتمند رومن ہر قسم کے محصول سے سرکاری طور پر مستثنیٰ تھے اور محصولات کا سارا بار ان غریب باشندوں پر پڑا ہوا تھا۔ یہ دولتمند لوگ، سرکاری حکام اور وسیع علاقوں کے مالک اور خطاب یافتہ رئیس بڑے پرتکلف اور شاندار محلوں میں عیش کرتے تھے اور غریب رعایا کے بدنصیب افراد غلاموں کی حیثیت میں ان کی میزوں کو لذیذ کھانوں اور پرانی شرابوں سے آراستہ کرتے اور یہ امیر مسندوں پر تکیے لگائے دادِ عیش دیتے اور مزے اڑاتے سامنے مطربوں کے طائفے اور خوبصورت عورتیں ناچ گانے سے ان کا دل خوش کرتیں۔ ملک کے خاص لوگوں میں دولت کی یہ کثرت عام رعایا کی تنگدستی کو اور بھی نمایاں کرتی تھی (ص ۱۹۔۲۰)

قیصر اپنے آپ کو سلطنت کی کل زمینوں کا مالک تصور کرتا تھا اور رعایا کی نسبت سمجھتا تھا کہ زمین کے متعلق وہ کسی قسم کے مالکانہ حقوق نہیں رکھتی۔ (ص ۲۱۶) "کسی طرح کے سیاسی حقوق یا ایسے حقوق جو ایک آزاد شخص کو کسی حکومت میں حاصل ہوتے ہیں ان سے وہ محروم تھے۔ (ص ۲۱۷)" کاشتکار بھی بالکل غلام سمجھے جاتے تھے۔ مگر کسی شخص کے نہیں بلکہ اس زمین کے جس کو وہ کاشت کرتے تھے۔ مالک اراضی جب زمین کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کرتا تھا تو کاشتکار بھی ساتھ ہی فروخت ہو جاتا تھا" (۲۱۷) پھر وہ غریب رعایا جس کو اس طرح غلام بنالیا گیا تھا ان کی حالت یہ تھی کہ ایک ایک امیر کے حضور میں آٹھ آٹھ ہزار غلام خدمت کے لئے حاضر رہتے تھے چنانچہ ڈوزی لکھتا ہے کہ "ملک گال (فرانس) میں ایک شخص کے پاس پانچ ہزار اور دوسرے کے پاس آٹھ ہزار غلام تھے" (ص ۲۱۷) ان بدنصیب لوگوں پر جس قدر مظالم توڑے جاتے تھے۔ ان کو ڈوزی ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "غلاموں پر سختیاں بڑی بے رحمی سے کی جاتی تھیں۔ بعض اوقات آقا اپنے غلام کو تین سو کوڑے صرف اس جرم پر لگاتا تھا کہ مانگتے ہی فوراً گرم پانی اس کے سامنے کیوں نہ حاضر کیا گیا اور کیوں آقا کو پانی کے لئے چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔ (ص ۲۱۸)۔

اس خوفناک ظلم و زیادتی کا انجام کیا ہوتا تھا وہ بھی ڈوزی ہی کی زبان سے سنئے "غرض سوداگر اور تاجر رعایا اور کاشتکار حکومت کے جور، آقاؤں کے تشدد اور مالکانِ آراضی کے ظلم سے بچنے کے لئے آخری علاج یہی کرتے کہ گھر بار چھوڑ کر جنگل کو نکل جاتے اور وہاں رہزنی اور قزاقی کا پیشہ اختیار کرتے اور جب ان کو موقع ملتا اپنے آقاؤں سے خوب جی کھول کر بدلہ نکالتے اور ان کے عیش و آرام کے گھروں اور پرتکلف محلوں کو لوٹ لیتے اور اگر کوئی دولتمند ان کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتا تو اسے زندہ نہ چھوڑتے۔ (ص ۲۱۸)

بنی اسرائیل کی عظیم الشان سلطنت میں
یہودیوں کا برتاؤ غیروں کے ساتھ

ان دونوں مہذب قوموں کے علاوہ دورِ قدیم کی ایک عظیم الشان سلطنت بنی اسرائیل کی تھی یہ قوم اعلیٰ درجہ کی تہذیب اور ایک عمدہ تمدن کی مالک تھی۔ اپنے زمانہ میں یہ قوم دولت ثروت، حکومت و

عزت اور رعب و طاقت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ خود خدا انھیں خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (میں نے تم کو تمام دنیا پر فضیلت دی تھی) اقوامِ عالم میں اس قوم کو ایک خصوصیت یہ حاصل ہے کہ جتنے پیغمبر اور نبی اس قوم میں مبعوث ہوئے اتنے کسی اور قوم میں نہیں آئے۔ یہ قوم ایک مستقل شریعت کی مالک اور بہت سی الہامی کتابوں کی حامل تھی جن کا مجموعہ عہد نامہ قدیم کہلاتا ہے۔ آؤ دیکھیں کہ اس مہذب اور متمدن قوم نے دوسری قوموں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا۔

جب ہم اس قوم کا شرعی قانون دیکھتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں۔ دوسروں سے رواداری اور حسن سلوک کا تو کیا ذکر ہے وہاں تو دوسروں سے اس درجہ بے رحمی سختی اور درشتی کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے کہ پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سنئے۔ قانون تھا کہ جب دشمن پر حملہ کیا جائے تو اگر دشمن صلح کا خواہشمند ہو اور اپنے شہر کے دروازے بنی اسرائیل کے لئے کھول دے تب تو شہر کے سارے باشندے غلام بنائے جائیں اور ان سے خدمت لی جائے۔ اور اگر وہ لوگ صلح نہ کریں تو فتحیاب ہونے کے بعد سارے مردوں کو بے دریغ تہ تیغ کر دیا جائے۔ کسی قسم کی کوئی رعایت یا رواداری ان سے نہ برتی جائے۔ ان کی ساری عورتوں اور تمام بچوں کو گرفتار کر کے لونڈی غلام بنا لیا جائے۔ ان کے مویشی اور ہر قسم کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل عبارت میں بنی اسرائیل کو یہ احکام دیئے گئے ہیں۔

۱۰ اور جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آپہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام کر تب یوں ہوگا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور اور شہر کے دروازے تیرے لئے کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جائے تیری خراجگذار ہوگی اور تیری خدمت کرے گی۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور بچوں کو اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ

اپنے لئے لے۔ اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے
دی ہے کھائیو۔ اسی طرح سے تو ان سب شہروں سے جو تجھ سے بہت دور ہیں
اور ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں ہیں کیجیو۔" (استثنا ۲۰: ۱۰-۱۵)

مزید آگے ارشاد ہوتا ہے کہ شہر کو فتح کرنے کے بعد کسی جاندار اور ذی روح کو زندہ نہ رہنے دیا جائے۔

"لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنھیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی
چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو۔" (استثنا باب ۲۰ آیت ۱۶)

ایک موقع پر حضرت موسیٰ کی ہدایت کے مطابق جب بنی اسرائیل نے دشمن کے سارے مردوں کو بلا استثنا قتل کر چکنے کے بعد ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا اور ان کے تمام مواشی اور بھیڑ بکریوں کو اور سارے مال و اسباب کو لوٹ لیا اور اس کے بعد ان کے شہروں اور قلعوں کو آگ لگا کر خاک سیاہ کر دینے کے بعد حضرت موسیٰ کے حضور میں حاضر ہوئے تو آپ ان پر اس وجہ سے بہت ناراض ہوئے کہ تم نے دشمنوں کے بچوں اور عورتوں کو کیوں زندہ رکھا اور حکم دیا کہ جتنے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے لائے ہو سب کی ابھی گردن مارو۔ صرف کنواری لڑکیوں کو اپنے لئے زندہ رکھ لو۔ باقی سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دو۔ چنانچہ آتا ہے۔

"موسیٰ نے ان کو لڑائی پر بھیجا۔ ایک ایک فرقہ کے پیچھے ایک ہزار کو۔ انھیں اور الیعزر کاہن کے بیٹے فینحاس کو پاک ظروف کے ساتھ بھیجا اور پھونکنے کے نرسنگے اس کے ہاتھ میں تھے اور انھوں نے مدیانیوں سے لڑائی کی۔ جیسا خداوند نے موسیٰ کو فرمایا تھا اور سارے مردوں کو قتل کیا۔ اور انھوں نے ان مقتولوں کے سوا اوی اور رقم اور صور اور حور اور ربع کو جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا۔ اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا۔ اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا۔ اور ان کی مواشی اور بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے سب قلعوں کو پھونکدیا اور انھوں نے ساری غنیمت اور سارے اسیر

انسان اور حیوان لئے اور وہ قیدی اور غنیمت اور لوٹ۔ موسیٰ اور الیعزر کاہن اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس خیمہ گاہ میں موآب کے میدانوں میں یردن کے کنارے جو یریحو کے مقابل ہے لائے۔ تب موسیٰ اور الیعزر کاہن اور جماعت کے سارے سردار ان کے استقبال کے لئے خیمہ گاہ سے باہر گئے اور موسیٰ لشکر کے رئیسوں پر اور ان پر جو ہزاروں کے سردار تھے اور ان پر جو سینکڑوں کے سردار تھے جو جنگ کر کے پھرے غصے ہوا۔ اور ان کو کہا کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا۔ دیکھو یہ بلعام کے کہنے سے فغور کے باب خداوند کے آگے اسرائیل کے گنہگار ہونے کا باعث ہوئیں۔ چنانچہ خداوند کی جماعت میں وبا آئی سو تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کرو۔ اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہے جان سے مارو۔ لیکن وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لئے زندہ رکھو۔" (گنتی ۳۱: ۶-۱۸)

چونکہ وہ لوگ جن پر بنی اسرائیل چڑھ کر گئے تھے بنی اسرائیل میں سے نہ تھے بلکہ دوسری قوموں کے انسان تھے اس لئے ان کو قتل کرنے اور ان کی لاشوں کو چھونے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے مطہر اور مقدس انسان سراسر ناپاک ہو گئے۔ پاک کس طرح ہوئے اس کی تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل احکام پڑھو:۔

"اور تم سات دن تک خیمہ گاہ سے باہر رہو۔ جس کسی نے آدمی کو مارا ہو اور جس کسی نے لاش کو چھوا ہو وہ آپ کو اور اپنے قیدیوں کو تیسرے دن اور ساتویں دن میں پاک کرے۔ تم اپنے سب کپڑے اور سب چمڑے کے برتن اور سب بکری کے بالوں کی بنی ہوئی چیزیں اور کاٹھ کے سب برتن پاک کرو۔ تب الیعزر کاہن نے ان سپاہیوں کو جو جنگ پر گئے تھے کہا کہ شریعت کا حکم جو خداوند نے موسیٰ کو فرمایا سو یہ ہے۔ فقط سونا، روپا، پیتل، لوہا رانگا، سیسا اور وہ سب چیزیں جو آگ میں ڈالی جاتی ہیں تم انہیں آگ میں ڈالو اور وہ پاک ہوں گی۔ پھر انہیں جدائی کے پانی سے بھی پاک کرو۔ پھر وہ سب چیزیں جو آگ میں

نہیں ڈالی جاتیں تم انھیں اس پانی میں ڈالو۔ اور تم ساتویں دن اپنے کپڑے دھوؤ۔ تاکہ تم پاک ہو۔ بعد اس کے خیمہ گاہ میں داخل ہو گنتی ۳۱ : ۱۹-۲۴۔

ایک جگہ دشمنوں کی سات بڑی اور قوی قوموں پر چڑھائی کرنے کا حکم ہے۔ ان کے ساتھ جس قسم کا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے :-

"جب کہ خداوند تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں جس کا وارث تو ہونے جاتا ہے داخل کرے اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو دفع یعنی حِتّوں، اور جرجاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو سات قومیں کہ بڑی اور قوی تجھ سے ہیں۔ اور جبکہ خداوند تیرا خدا انھیں تیرے حوالے کرے تو تو انھیں مار یو اور حرم کیجیو۔ نہ تو ان سے عہد کریو اور نہ ان پر رحم کریو۔ نہ ان سے بیاہ کرنا۔ اس کے بیٹے کو اپنی بیٹی نہ دینا۔ نہ اپنے بیٹے کے لئے اس کی کوئی بیٹی لینا۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹے کو میری پیروی سے پھرائیں گے۔ تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں اور خداوند کا غصہ تجھ پر بھڑکے گا اور وہ تجھے بکایک ہلاک کردے گا، سو تم ان سے یہ سلوک کرو، تم ان کے مذبحوں کو ڈھادو۔ ان کے بتوں کو توڑو۔ ان کے گھنے باغوں کو کاٹ ڈالو۔ اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلادو" (استثنا ۷: ۱-۵)

یہ تو ہوئی غیروں سے رواداری کی تعلیم! اب ان کا جو سلوک اپنوں سے تھا وہ بھی سن لیجئے :-

ایک مرتبہ ایک جھگڑے پر بنی اسرائیل نے اپنے ہی ایک قبیلے بنی بنیمین پر سوا چار لاکھ کی عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حملہ کیا۔ بنی بنیمین اگرچہ کثرتِ تعداد میں حملہ آوروں کے برابر نہ تھے مگر ذات میں ان سے ہیٹے بھی نہ تھے۔ انھوں نے بھی کٹ کر مرجانے کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔ چھبیس ہزار اور سوا چار لاکھ کا مقابلہ کیا؟ مگر بقول شخصے جو جان سے درگذرے وہ جو چاہے سو کر گزرے۔ بنی بنیمین ایسی بے جگری کے ساتھ لڑے کہ پہلے ہی دن ۲۲ بائیس ہزار اسرائیلیوں کو قتل کرکے خاک میں ملادیا" (قاضیون ۲۰: ۲۱)

بنی اسرائیل نے کہا یہ تو کچھ نہ ہوئی اب کیا کریں۔ خیر خداوند سے صلاح پوچھی کہ ہم اپنے بھائی بنیمین کے بیٹوں سے لڑنے کے لئے ان پر پھر چڑھیں یا نہیں؟ خداوند نے فرمایا۔ اس پر چڑھو" (قاضیون ۲۰: ۲۳) دوسرے دن جو لڑائی کا بازار گرم ہوا تو بنی بنیمین نے بنی اسرائیل کے اٹھارہ ہزار آدمی مار کے زمین پر ڈال دیئے" (قاضیون ۲۰: ۲۵)

جب بائیس اور اٹھارہ پورے چالیس ہزار اسرائیلیوں کو پچیس ہزار بنی بنیمین نے قتل کر ڈالا تو اب بنی اسرائیل بڑے گھبرائے۔ چنانچہ سارے لوگ اٹھے اور خدا کے گھر میں آئے اور روئے اور وہاں خداوند کے حضور بیٹھے۔ اور اس دن سب نے شام تک روزہ رکھا اور قربانیاں خداوند کے آگے گذرانیں" (قاضیون ۲۰: ۲۶) چنانچہ خداوند ان سے راضی ہو گیا اور فرمایا "جا کہ میں کل ان کو تیرے ہاتھ میں کر دونگا" (قاضیون ۲۰: ۲۸) تیسرے دن بڑے گھمسان کا رن پڑا اور خداوند کے وعدے کے مطابق اس دن بنی اسرائیل کو کامل فتح ہوئی اور انھوں نے "اس دن پچیس ہزار ایک سو بنیمین کو قتل کیا" (قاضیون ۲۰: ۳۵)

جب اسرائیلی اس فوج کو شکست دے چکے تو بنی بنیمین کی بستیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں "جو مردِ ملا اُسے تہ تیغ کیا اور مردوں اور حیوانات کو اور ان سب کو جو ان کے ہاتھ آئے اور جس جس شہر میں گئے ان سب کو پھونکدیا" (قاضیون ۲۰: ۴۸) آپس کے ذرا سے جھگڑے میں دونوں طرف کے پینسٹھ ہزار سے زیادہ آدمی کٹ مرے۔

مرغی کو تو تکلے کا گھاؤ ہی کافی ہوتا ہے۔ بنی بنیمین چھوٹا سا قبیلہ تھا۔ اس خانہ جنگی میں تباہ ہو گیا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا اور جتنی تباہی اور بربادی ہونی تھی وہ ہولی تو چونکہ وہ اپنا ہی قبیلہ تھا اس لئے اب "بنی اسرائیل اپنے بھائی بنی بنیمین کی بابت پچھتائے اور بولے کہ آج کے دن بنی اسرائیل کا ایک فرقہ کٹ گیا" (قاضیون ۲۱: ۶) مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مرے ہوئے کس طرح واپس آسکتے تھے لیکن جتنے بچے کچھے لوگ اس قبیلے کے رہ گئے تھے سب کو کہلا بھیجا کہ کہا سنا معاف کرو۔ پچھلی باتوں پر خاک ڈالو اور آؤ مل بیٹھو۔ وہ بیچارے خانماں برباد جب اس "سلامتی کے

پیغام (قاضیون ۲۱: ۱۳) کو قبول کرکے بنی اسرائیل کے پاس آئے تو بنی اسرائیل نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا ان کی خوب خاطر مدارات کی اور ان سے بڑی ہمدردی ظاہر کی کہ ناحق آپس کی لڑائی میں اتنا کشت و خون ہوا۔ اب سب سے پہلے بنی اسرائیل کو یہ فکر پڑی کہ بنی بنیمین کی ساری عورتیں تو ہم نے مار ڈالیں اب ان کے لئے بیویاں کہاں سے مہیا کریں تاکہ ان کی نسل منقطع نہ ہو۔ آخرکار یہ تدبیر سمجھ میں آئی کہ جب بنی بنیمین پر لشکرکشی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور سارے بنی اسرائیل کے فرقے ایک جگہ ان سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے تو اس وقت ایک قبیلہ یبیس جلعاد نامی لڑنے کے لئے نہ آیا تھا بس یہ جرم کافی تھا۔ لہٰذا یہ کام کیا جائے کہ اس پر فوج کشی کرکے جتنی کنواری لڑکیاں ان کی مل سکیں پکڑ لائیں اور لاکر بنی بنیمین کی خدمت میں پیش کردیں تاکہ بیچارے بنیمینوں کے کچھ تو آنسو پچھیں اور وہ سمجھیں کہ واقعی ہمارے بھائی ہمارے حقیقی اور سچے ہمدرد ہیں کہ ہمارے لئے بیویاں فراہم کردیں ۔۔۔ (بنی اسرائیل نے اپنی بیٹیاں انھیں اس لئے نہ دیں کہ انھوں نے قسم کھائی تھی کہ "ہم اپنی بیٹیاں جورو کرنے کو انھیں نہیں دیں گے" قاضیون ۲۱: ۷)

چنانچہ بنی اسرائیل نے فوراً بارہ ہزار بہادروں کا ایک لشکر جرار تیار کیا اور انھیں یہ حکم دیکر روانہ کردیا کہ "یبیس جلعاد کے باشندوں کو جاکے عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو اور یہ وہ کام ہے جس کا تم کو کرنا ضرور ہے کہ سارے مردوں اور ان عورتوں کو جو مرد سے ہمبستر ہوئی ہوں ہلاک کردینا" (قاضیون ۲۱: ۱۱) چنانچہ غازیان نامدار کا یہ لشکر جرار بے خبر اور غافل یبیس جلعاد کے باشندوں پر جا پڑا۔ ان میں انھیں کل چار سو کنواری عورتیں جو مرد سے ناواقف تھیں ملیں (قاضیون ۲۱: ۱۲) انھیں وہ غازی پکڑ لائے اور لاکر بنی بنیمین کے سپرد کردیا۔ (قاضیون ۲۱: ۱۴) لیکن مشکل اب بھی آسان نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ کنواریاں ان لوگوں کے لئے کافی نہ تھیں اور ضرورت اور باقی رہ گئی (قاضیون ۲۱: ۱۴) چنانچہ بوڑھے بڈھے بزرگ آدمی پھر جمع ہوئے اور سوچنے لگے کہ اس مشکل کا حل کیا اختیار کیا جائے؟ آخرکار ایک لاجواب ترکیب ان کی سمجھ میں آئی اور وہ یہ تھی کہ سیلا میں کے مقام پر جو ایک مذہبی میلہ لگتا ہے اور عورتیں اور مرد خداوند کی عید منانے کے لئے جمع ہوتے ہیں وہاں بنی بنیمین انگوری باغوں کے درمیان گھات میں

بیٹھ جائیں اور سیلا میں کی بیٹیوں پر اچانک حملہ کر کے جو عورت جس شخص کو پسند آئے وہ اسے بلا تامل اپنی بیوی بنا لے اور اپنے ملک کو لے جائے۔ (قاضیون ۲۱: ۲۰-۲۱) جب ان عورتوں کے باپ بھائی ہمارے پاس فریاد لائیں گے تو ہم کہہ دیں گے کہ بھئی جانے دو۔ ان پر ہماری خاطر مہربانی کرو — (قاضیون ۲۱: ۲۲) آخر کسی نہ کسی کو تم اپنی بیٹی دیتے ہی اور پھر جہیز اور سامان بہت کچھ ساتھ دینا پڑتا۔ شکر کرو سستے ہی چھوٹ گئے۔ بنی بنیمین کو اس کار خیر میں کیا تامل ہو سکتا تھا چنانچہ انھوں نے اپنے بھائیوں کے کہنے پر عمل کیا اور نہایت انصاف کے ساتھ اپنے شمار کے موافق ان میں سے جو ناچتی نکلی تھیں جنھیں پکڑ لیا تھا ایک ایک نے اپنے لئے جورو لی (قاضیون ۲۱-۲۳) اور فائز المرام خوش خوش اپنی تباہ شدہ بستیوں کو روانہ ہو گئے اور ان کی مرمت کر کے ان میں بس گئے (قاضیون ۲۱: ۲۳) اور اس طرح اس قضیہ نامرضیہ کا بڑی خوش اسلوبی سے خاتمہ ہو گیا۔

دیکھا آپ نے "حسن سلوک" اور "رواداری" کی کتنی حیرت انگیز مثالیں بنی اسرائیل کی تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔

بنی اسرائیل کا جو سلوک اپنوں اور غیروں سے تھا اس عجیب و غریب حکایت کے بعد اسکی اور مثالیں دینے کی اگرچہ قطعاً ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن اب ذکر چلا ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ ان کے لئے حکم تھا کہ "جب تو اپنے ہمسائے کے تاکستان میں داخل ہو تو جتنے انگور چاہے اپنی خوشی سے کھا" — (استثنا ۲۳: ۲۴) یعنی دوسرے کے مال پر دست تصرف دراز کرنے کے لئے مالک کی مرضی اور اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں۔ جتنا چاہو کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ۔ کتنی محبت، ہمدردی اور رواداری کی تعلیم ہے۔

اس سے اگلی آیت میں جو حکم دیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ پر لطف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "جب تو اپنے ہمسائے کے کھیت میں داخل ہو تو اپنے ہاتھ سے (جتنی چاہے) بالیں توڑ لے مگر کھیت کو ہنسوے سے مت کاٹ" (استثنا ۲۳: ۲۵) دیکھئے کس قدر رعایت ہے کہ چاہے ہاتھ سے توڑ توڑ کر تمام کھیت کا ستیاناس کر دے مگر اتنا احسان کھیت والے پر ضرور کر کہ درانتی سے کھیت کا صفایا نہ کر۔ آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ اس سے زیادہ مہربانی اپنے بھائی اور ہمسائے کے ساتھ اور کیا ہو سکتی ہے اور

یہ مہربانی ایسی عظیم الشان ہے کہ کمیت والے جس قدر بھی شکریہ ادا کریں تھوڑا ہے۔

ناظرین! ذرا انصافاً غور فرمائیں کہ یہ دونوں حکم کس قدر فساد انگیز ہیں۔ اگر آج دنیا میں یہودیوں کی حکومت قائم ہو جائے اور ان کی شریعت کے مطابق احکامات جاری ہوں تو ملک کس قدر فتنہ وفساد لڑائی جھگڑے اور قتل وغارت کا آماجگاہ بن جائے۔

یہودی کس قدر ذلت کے ساتھ دوسری قوموں کو دیکھتے تھے؟

یہودی اپنے آپ کو جتنا معزز، جس قدر محترم اور جیسا قابل تکریم سمجھتے تھے اور دوسری قوموں کو جتنا ذلیل جس قدر کمینہ اور جیسا قابل نفرت سمجھتے تھے اس کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے کتاب استثنا کے چودہویں باب کی اکیسویں آیت پڑھیئے۔ لکھا ہے۔

"جو حیوان آپ سے مر جائے تم اسے مت کھائیو، تو اسے کسی پردیسی کو جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو دیجیو تاکہ وہ اسے کھائے یا کسی اجنبی کے ہاتھ بیچ ڈالیو۔ کیونکہ تو خداوند اپنے خدا کی مقدس قوم ہے۔"

یعنی اپنے لئے مردار اس لئے حرام کیا گیا کہ خود کو خدا کی مقدس قوم سمجھا، ہاں پردیسیوں اور اجنبیوں کو کھلانے اور ان کے ہاتھ اس مردار کو بیچ ڈالنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہودی دوسری قوموں سے کہاں تک رواداری برت سکتے تھے اور انھوں نے کتنی رواداری دوسروں سے برتی ہوگی۔ یہودی خدا کی دوسری مخلوق کے مقابلے میں اپنے آپ کو جس قدر اعلیٰ سمجھتے تھے اس کو قرآن مجید نے انہی کی زبان سے اس طرح بیان کیا ہے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ ۳ آیت ۱۸) ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

خدا کے یہ "بیٹے" اور "پیارے" خدا کی دوسری غریب مخلوق کو کس ذلت اور حقارت سے دیکھتے تھے اس کے لئے یہ بیان کر دینا کافی ہوگا کہ ان کو دوسری قوموں سے پانی لیکر پینا بھی گوارا نہ تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی ناپاک تھیں اور ان کا پانی بھی ناپاک تھا۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰؑ نے ایک سفر کے دوران میں

راستہ کے ایک کنوئیں پر پیاس کی حالت میں ایک سامری عورت سے پانی مانگا تو اس عورت نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ "تو یہودی ہو کر مجھ سامری عورت سے پانی کیوں مانگتا ہے کیونکہ یہودی سامریوں سے کسی طرح کا برتاؤ نہیں رکھتے" (یوحنا ۴:۹)

عیسائیوں کا سلوک غیروں کے ساتھ

یہ تو پڑھا آپ نے یہودیوں کا برتاؤ دوسروں کے ساتھ۔ اب عیسائیوں کو لیجئے۔ چونکہ عیسائیوں کی کوئی علیحدہ شریعت نہیں۔ لہٰذا ان کے ہاں بھی وہ تمام احکامات قابل تسلیم ہیں جو یہودی شریعت میں رائج ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی شریعت ایک ہی ہے اور عیسائی اسی شریعت پر کاربند ہیں جو موسیٰ لائے تھے۔ انجیل کا وہ فقرہ ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ لوگوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں: "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلیگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے" (متی ۵: ۱۷-۱۸)

اس فقرہ سے صاف ثابت ہے کہ عیسویت یہودی شریعت اور موسوی کتاب کے تابع فرمان ہے، تاہم انجیل میں دوسری قوموں کے متعلق اتنے سخت اور شدید الفاظ موجود ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ یہ شہزادہ امن کے منہ کے کلمات ہوں گے چنانچہ ایک جگہ انجیل میں صاف اور واضح طور پر دوسری قوموں کو کتوں سے تشبیہ دی گئی۔ (انجیل متی ۱۵: ۲۶) اور ایک اور مقام پر انہیں سور کہا گیا ہے۔ (متی ۷: ۶)

قدیم ایرانیوں میں رواداری کی حیثیت

روما کی طرح ایران میں بھی ایک قدیم اور زبردست سلطنت قائم تھی جو ہر طرح شہنشاہی روما کی ہمسر حریف تھی۔ اس سلطنت میں سب سے زیادہ عادل، رحمدل اور منصف مزاج شہنشاہ نوشیرواں گذرا ہے جو نوشیروان عادل کے نام سے دنیا میں شہرت رکھتا ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کی عظیم الشان سلطنت

میں بھی اعلیٰ اقوام کا برتاؤ پست اقوام کے ساتھ روادارانہ نہیں تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب ایک موقع پر نوشیرواں کو روپے کی ضرورت پڑی تو ایک موچی نے چالیس لاکھ درہم بادشاہ کو اس شرط پر قرض دینے منظور کئے کہ میرے بیٹے کو جو پڑھا لکھا اور مہذب ہے بادشاہ کوئی اعلیٰ عہدہ عطا فرمادے۔ نوشیرواں نے یہ شرط سنکر خفگی کے ساتھ روپیہ لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب موچیوں کے لڑکے سلطنت کے عہدہ دار ہوں گے تو کیا شرفا اور معززین کی اولاد ان کی جوتیاں سیدھی کرے گی۔ نہیں مجھے یہ بات ہرگز منظور نہیں کہ موچی کا لڑکا ایک خاندانی معزز آدمی کے برابر بیٹھے۔ (نوشیرواں نامہ ص ۳۰)

اسلام اور دوسری اقوام

غرض یہ تھی دنیا کی حالت جب اسلام کا روشن اور چمکدار سورج سرزمین عرب سے طلوع ہوا جسے دیکھتے ہی جہالت وتعصب کی تمام تاریکی آن واحد میں کافور ہوگئی۔ اسلام نے دنیا کو کیا حقوق دیئے؟ اور کس درجہ دوسری قوموں سے فیاضانہ اور روادارانہ برتاؤ کی تلقین کی؟ یہی اس مضمون کا موضوع ہے اور اسی پر اب ہم تفصیلی نظر ڈالتے ہیں۔

اسلام نے جو حقوق انسان پر قائم کئے ہیں وہ تین طرح کے ہیں۔ حقوق اللہ۔ حقوق النفس اور حقوق العباد۔ آخری شق میں وہ موضوع آتا ہے جس پر ہمیں بحث کرنی ہے۔ یعنی اسلام میں غیر مسلموں سے رواداری کی تعلیم، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا تعلیم ہے جو اسلام نے غیر مسلموں کے متعلق ہمیں دی ہے اور جس پر کاربند ہونا ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام نے ہر قوم اور مذہب سے زیادہ اپنے پیروؤں کو غیر مسلموں سے رواداری اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ ثبوت میں ہم پہلے تعلیم کو پیش کریں گے اور ازاں بعد بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طرز عمل اور اسوۂ حسنہ کو۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(الف) اسلام کی تعلیم غیر مسلموں کے متعلق

۱۔ مساوات کی تعلیم | اس باب میں سب سے اول اسلام نے جو تعلیم دی وہ قوموں اور نسلوں کا امتیاز اور

قبیلوں اور فرقوں کا فرق مٹانا تھا۔ سب سے پہلے اسلام نے اعلیٰ ذوات کے فخر اور نسلی غرور کا قلع قمع کیا اور با آواز بلند اعلان کیا کہ کسی عرب کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ خدا کی ساری مخلوق برابر ہے۔ کیونکہ سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ بنی آدم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو خدا کا سب سے زیادہ فرمانبردار ہو (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ) اس فرمانِ خداوندی کا نازل ہونا تھا کہ قریش کے معزز سردار ملک حبش کے موٹے ہونٹ والے سیاہ رنگ کے حبشی سے بھی درجے میں نیچے ہو گئے اور فارسی النسل غلام اہل بیت نبوی میں شمار ہونے لگے۔ اسی مقدس تعلیم کا اثر تھا کہ ایک غریب و بے مایہ حبشیؓ کے انتقال پر کسریٰ اور قیصر کی پر شوکت سلطنتوں کے مالک اور دنیائے اسلام کے زبردست شہنشاہ نے آبدیدہ ہو کر کہا ؎

اٹھ گیا آج زمانے سے ہمارا آقا　　　اٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبر

یہ دنیا میں سب سے پہلی مثال تھی کہ اسلام نے اس زور اور اس شان کے ساتھ نسلی فخر و غرور کا خاتمہ کیا۔ اور تمام دنیا کے لوگوں کو اپنا بھائی اور اپنے جیسا انسان سمجھنے کی تلقین کی۔ نسلی منافرت کو دور کیا اور ایک دوسرے سے حسن سلوک کی تعلیم دی۔ رواداری کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہم دوسری قوموں کے افراد کو اپنے ہی جیسا انسان سمجھیں کیونکہ صرف اسی وقت ہم ان سے رواداری اور حسنِ سلوک کا برتاؤ کر سکتے ہیں۔ اگر ہم نے دوسروں کو ذلیل حقیر اور کم درجہ کا انسان سمجھا تو پھر محال ہے کہ ہم ان کے ساتھ کسی قسم کا سلوک یا رواداری برت سکیں۔ انہوں سے سلوک و احسان کرنا ہر کوئی سکھاتا ہے مگر یہ صرف اسلام ہی تھا جس نے دنیا میں سب سے اول عالمگیر اخوت اور عالمگیر ہمدردی کی تعلیم دی۔ دیکھئے حکیم مشرقؒ نے اسلام کی اسی رواداری کی تعلیم کو کن الفاظ میں بیان کیا ہے کہتا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر ند　　　کہ در آفرینش ز یک جوہر ند
چو عضوے بدرد آورد روزگار　　　دگر عضو ہا را نماند قرار

یہ اسلام ہی ہے جس نے کسی قوم اور کسی نسلِ انسانی کو ذلیل اور حقیر نہیں ٹھیرایا۔ قرآن نے ساری دنیا کو مخاطب کر کے کہا (خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ) اور اس طرح ساری دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا۔ ہاں انسانی عزت کی بنیاد صرف نیکی اور خدائی فرمانبرداری پر رکھی۔ اسلام نے جو خدا پیش کیا وہ صرف بنو ہاشم

یا قریش کا خدا نہ تھا بلکہ "رب العالمین" تھا۔ اور جو رسول اس رب العالمین نے بھیجا وہ صرف بنو ہاشم یا محض اقوام عرب کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ "رحمت للعالمین" تھا۔ پس سوچئے اور غور کیجئے کہ اس سے زیادہ دوسروں کے ساتھ رواداری کی تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے؟

۲- آزادیٔ ضمیر | دوسری بات جو غیر مسلموں سے رواداری کے متعلق اسلام نے تلقین کی وہ آزادیٔ ضمیر کا تسلیم کرنا ہے۔ اسلام نے آزادیٔ ضمیر کو انسان کا پیدائشی اور فطری حق سمجھا۔ جبر اور سختی کو حرام اور ناجائز بتایا اور اس بات کی سخت ممانعت فرمائی کہ کسی سے کوئی ایسی بات جبراً منوائی جائے جس کو اس کا ضمیر قبول نہ کرتا ہو اور اس بارہ میں صاف اور صریح طور پر فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب کے معاملہ میں کسی زبردستی کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کو اجازت دی کہ "مَنْ شَآءَ فلیومن ومن شاء فلیکفر" (جو شخص چاہے مسلمان ہو جائے جو نہ چاہے انکار کر دے) ایک جگہ ارشاد فرمایا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (ہم نے طریق حق سمجھا دیا ہے اب چاہے اسے مانو چاہے نہ مانو) جبر سے مسلمان کرنے کو اسلام نے نہایت نفرت کی نظر سے دیکھا ہے اور ایسے آدمیوں کا نام جو دل سے مسلمان نہ ہوئے ہوں بلکہ کسی طمع، ڈر یا جبر سے انھوں نے اسلام قبول کیا ہو، منافق رکھا ہے اور اسے اتنا بڑا جرم قرار دیا ہے کہ اس کی سزا جہنم کا سب سے نچلا حصہ قرار دی ہے (اِنَّ المنافقین فی الدرک الاسفل من النَّارِ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کے جذبات اور احساسات کا اسلام نے کس سختی اور زور کے ساتھ خیال رکھا ہے اور کس قدر ان کا احترام کیا ہے اور اس معاملہ میں کس درجہ دوسروں سے رواداری برتی ہے۔

۳- مذاہب غیر سے محبت | تیسری رواداری جو اسلام نے غیر مسلموں سے برتی وہ یہ ہے کہ ان کے مذہب کے متعلق اپنے متبعین میں نفرت اور بغض پیدا نہیں کیا بلکہ طرح طرح سے محبت و تعلق کو بڑھایا ہے کبھی یہ کہہ کر وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا دوسری قوموں کے ہادیوں اور رہبروں کی بزرگی کو تسلیم کیا۔ کبھی یہ کہہ کر لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ بت پرست قوموں کے دلوں میں محبت کا بیج بو دیا۔ کبھی یہ کہہ کر فیھا کتب قیمۃ۔ یہ بتایا کہ اسلام مجموعہ ہے ان کل صداقتوں بھلائیوں اور خوبیوں کا جو کسی بھی مذہب میں پائی جاتی تھیں یعنی یہ تسلیم کیا کہ دوسرے مذاہب بھی خوبیوں اور اچھائیوں سے خالی نہیں کیا غیروں کے

رواداری کی اس سے بہتر مثال اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب میں بھی مل سکتی ہے؟

۴۔ دوسری قوموں کے مقدسوں کا احترام

اسلام نے ایک اعلیٰ درجہ کی رواداری کا نمونہ یہ دکھایا کہ یہود اور نصاریٰ کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو خدا کا فرستادہ اور سچا نبی تسلیم کیا۔ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح (نساء آیت ۱۶۳) اور جو کتابیں یہود و نصاریٰ الہامی مانتے تھے خود بھی انھیں الہامی اور منجانب اللہ تسلیم کیا۔ (انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی و نور و اتینہ الانجیل فیہ ھدی و نور) اور اس طرح یہود و نصاریٰ کی طرف ایک محبت کا ہاتھ بڑھایا۔ اس وقت یہی دو نہایت مشہور اور نمایاں مذہب تھے۔ باقی تمام مذاہب کے متعلق بھی اس بات کو تسلیم کیا کہ ہر قوم و ملت میں خدا کے نبی آتے رہے (وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر) مطلب یہ ہے کہ دیگر تمام مذاہب کے مقدس بزرگوں کی عزت کو مسلمان کی نظر میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا اور مسلمان کو کسی دوسرے مذہبی پیشوا کو برا کہنے سے قطعی طور پر روک دیا اور اس طرح ایک عالمگیر اخوت، ہمدردی اور رواداری کی بنیاد دنیا میں قائم کی جس کا اسلام سے پہلے نام و نشان بھی نہ تھا۔

۵۔ دوسروں سے عدل و انصاف کا حکم

پانچویں رواداری بڑی ہی عجیب و غریب ہے۔ جس کا قانون اسلام نے غیر مسلموں کے متعلق مقرر فرمایا ہے اور وہ ہے ہر حالت میں عدل و انصاف۔ اسلام نے حکم دیا کہ حالات خواہ کیسے ہی ہوں تم سے دوسرے لوگ خواہ کتنی ہی دشمنی کریں مگر تم کسی حال میں بھی عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ دو۔ فرمایا لا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔ یعنی کسی قوم کی دشمنی اور عداوت تم کو اس بات کا ملزم نہ کر دے کہ تم موقع پر عدل و انصاف نہ کرو۔ نہیں خواہ تم سے کوئی کتنی ہی دشمنی کرے مگر تم جب اس کے متعلق کوئی بات کہو انصاف سے کہو اگر تمہارے ساتھ کسی کی دشمنی ہے تو اس کی ہر بات میں کیڑے نہ ڈالو۔ دشمن اور مخالف کی جو اچھی بات دیکھو بیشک اسے تسلیم کرو۔ اگر کبھی کوئی معاملہ پیش آجائے تو محض اس وجہ سے کہ فریق ثانی تمہارا دشمن ہے تم بددیانتی نہ کرنا بلکہ ٹھیک ٹھیک قانون و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ کیونکہ یہی نیک بختی کی علامت ہے۔ غور کیجئے کتنا بہترین اور کتنا بے نظیر قانون یہ اسلام نے بنایا۔ یوں سمجھئے کہ یہ قانون بنا کر اسلام نے جتنی مراعات غیر مسلموں کو دی جا سکتی تھیں سب دیدیں۔ اور ان کو اس بات سے بالکل بے خوف کر دیا۔ کہ مسلمان ان کے ساتھ کوئی زیادتی

کریں گے پاک ہے وہ نبی جو ایسی حکمت اور صداقت کی باتیں ہم تک لایا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۶۔ دشمنوں کو نیک برتاؤ | اپنے دشمنوں سے سخت اور صعب حالتوں میں بھی اسلام نے اعلیٰ درجہ کی رواداری ہی برتنے کی تعلیم دی ہے فرمایا ادفع بالتی ھی احسن۔ دشمن کی بدی اور برائی کا ایسی خوبصورتی اور عمدگی کے ساتھ دفعیہ کرو کہ (فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم) یعنی وہ جو سخت دشمن ہو گہرا دوست بن جائے بتلایئے دشمن کے ساتھ اس سے زیادہ رواداری اور کیا ہو سکتی ہے؟ بس یہ انتہا ہے۔

۷۔ عام طور پر حسن سلوک کی تعلیم | اللہ تعالیٰ نے ایک عام رواداری اور حسن سلوک کا ارشاد کس جامعیت کے ساتھ فرمایا ہے چنانچہ حکم دیا ہے کہ واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتمٰی والمسٰکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخورا۔ یعنی اللہ کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھی اور یتیموں، مسکینوں، اور پڑوسیوں کے ساتھ خواہ دور کے ہوں یا پاس کے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔ مسافروں اور غلاموں کے ساتھ۔ غرض سب کے ساتھ احسان مروت اور سلوک کرو۔ نہ تمہیں یہ غرور ہو کہ تم نسل میں ان سے اعلیٰ ہو اس لئے انھیں ذلیل سمجھو۔ نہ تمہیں یہ تکبر ہو کہ تم طاقت میں یا دولت میں ان سے بڑھے ہوئے ہو اور اس لئے وہ حقیر ہیں۔ جانے رہو کہ اللہ تعالیٰ نہ متکبر کو پسند فرماتا ہے اور نہ شیخی باز کو۔ اس آیت میں جن جن لوگوں سے احسان و مروت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ہرگز اس میں کوئی تخصیص ان کے مذہب کی نہیں کی گئی۔ خواہ وہ لوگ مسلمان ہوں یا کافر۔ بہرحال ان کے ساتھ احسان کرو۔

۸۔ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک | ایک مقام پر تو قرآن کریم نے نہایت ہی صاف اور کھلے الفاظ میں غیر مسلموں سے رواداری حسن سلوک اور احسان و مروت کی تعلیم دی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ جن لوگوں نے تم سے مذہب کی بنا پر جنگ نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا تم ان سے احسان اور مروت سے پیش آؤ اور ان کے

34076

ساتھ انصاف کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

آخری فقرہ میں گویا اس امر کی تاکید کی ہے کہ ضرور ایسے اشخاص سے سلوک اور احسان کرو۔ آیت کے اگلے حصہ میں بیشک ایسے ظالموں سے علیحدہ رہنے کی ہدایت ہے جنہوں نے طرح طرح کی تکلیفیں مسلمانوں کو پہنچائیں اور کوئی دقیقہ ایذا رسانی کا اٹھا نہ رکھا مگر وہاں بھی ایسے لوگوں سے صرف دوستی کرنے کی ممانعت کی ہے۔ باقی احسان و سلوک کو وہاں بھی منع نہیں کیا۔

۹۔ قیدیوں کے ساتھ سلوک کی تعلیم

آزاد تو پھر آزاد ہیں۔ اسلام نے تو یہاں تک رواداری برتی ہے کہ اپنے قیدیوں کے ساتھ بھی احسان اور سلوک کی تعلیم دی ہے اور ان کو بھی حقیر اور ذلیل نہیں سمجھنے دیا۔ مومنین کی صفت ہی خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا۔ یعنی وہ خدا کی محبت میں غریبوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس قیدی صرف وہی لوگ ہوتے تھے جو کافر مشرک ہوتے تھے کیونکہ وہی لڑائیوں میں گرفتار ہو کر آتے تھے۔ اسلام کی رحمت و شفقت دیکھئے کہ اس نے غیر مسلم قیدیوں کو بھی آرام سے رکھنے اور ان سے انتہائی رواداری برتنے کی تلقین فرمائی ہے۔

۱۰۔ غیروں سے احسان کرنے کے متعلق ایک عجیب تعلیم

غیر مسلموں سے حسن سلوک سے پیش آنے اور ان کے ساتھ ہر قسم کا احسان کرنے کے متعلق ایک آیت قرآن مجید کی بڑی عجیب ہے۔ سنئے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم ہر شخص سے عدل و احسان کا معاملہ کرو۔ یہی نہیں بلکہ احسان کرو اور پھر احسان بھی اس طرح کہ تمہارے دل میں خیال بھی نہ گذرے کہ ہم اس شخص پر احسان کر رہے ہیں بنی نوع انسان کے ساتھ رواداری برتنے اور ان کے ساتھ احسان و سلوک کرنے کی اس سے زیادہ جامع تعلیم کسی بھی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جس میں ہر مسلمان کو بلا امتیاز ہر انسان کے ساتھ ہمدردی، احسان اور رواداری کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیا دنیا کا کوئی دوسرا مذہب بھی اپنی الہامی کتاب میں اس قسم کی ایک آیت پیش کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

۱۱۔ ظالم سے برتاؤ کی تعلیم

جب دشمنوں کے ظلم اور ان کی تعدیاں حد سے بڑھ جائیں تو پھر انہیں

سزا دینی بھی عین قانون انصاف کے مطابق ہے. مگر اس سزا کے متعلق بھی جو قانون اسلام نے بنایا ہے وہ بلاشبہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے. سنئے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفیٰ واصلح فاجرہٗ علی اللہ یعنی برائی کا بدلہ صرف اسی قدر برائی ہے جتنی تمہارے ساتھ کی گئی ہے لیکن اگر معاف کرنے میں مخالف کی اصلاح ہوتی ہو تو پھر معاف ہی کردو. اللہ اللہ کتنی پر حکمت تعلیم ہے.

۱۲- تبلیغ اور بحث کس طرح کی جائے — اسلام ساری دنیا کے لوگوں کے لئے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے بھیجے گئے تھے (وما ارسلناک الا کافۃ للناس) پس ضروری ہوا کہ ساری دنیا کو دعوت حق پہنچائی جائے مگر اس تبلیغ میں بھی اسلام نے پوری پوری رواداری کو ملحوظ رکھا ہے یعنی حکم دیا ہے کہ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ[۱] والموعظۃ[۲] الحسنۃ وجادلھم[۳] بالتی ھی احسن. یعنی طریق حق کی طرف نہایت دانائی اور شیریں کلامی سے بلاؤ اور ان سے نہایت نرمی اور شائستگی کے ساتھ گفتگو کرو. اور اگر اس احتیاط کے باوجود بھی کسی احمق اور کندہ ناتراش سے سابقہ پڑ جائے جو نہ اپنی کہے اور نہ دوسرے کی سنے تو پھر اس وقت اپنے رب سے اس کے دماغ کی سلامتی کی دعا مانگ کر خاموش ہوجاؤ. واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما مطلب یہ ہے کہ بات بات پر اور قدم قدم پر غیر مسلموں سے اسلام نے اعلیٰ درجہ کی رواداری کی تعلیم دی ہے یہاں تک کہ بحث میں بھی کبھی گرم اور تیز گفتگو نہ ہونے پائے سا تہا ہے.

۱۳- اپنی مسجدیں ہر قوم کیلئے کھول دیں — ایک عظیم الشان رواداری کی تعلیم جو غیر مسلموں سے اسلام نے دی ہے کہ اپنی عبادت گاہیں ہر قوم و ملت کے لئے خدا کی عبادت کے واسطے کھول دیں اور خدا کی اس زمین پر آباد شدہ ہر انسان کو اجازت دیدی کہ وہ آئے اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں اور مسجدوں میں اپنے مذہب کے طریقے کے موافق خدائے واحد کی عبادت کرے اور ساتھ ہی ان لوگوں کے متعلق سخت ترین وعید فرمائی جو مسجدوں میں لوگوں کو خدا کی عبادت سے روکتے ہیں. ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ یعنی اس سے بڑھکر کون شخص ظالم ہوسکتا ہے جو لوگوں کو خدا کی مسجدوں میں خدا کے ذکر سے روکتا ہے. ایسے ظالموں کے لئے خدا فرماتا ہے کہ یہ بہ مجبت خود اس قابل نہیں کہ خدا کی مسجدوں میں ان کو داخل ہونے کی اجازت دی جائے

---

[۱] فلسفی مزاج اور منطقی اشخاص کے لئے. [۲] عوام کے واسطے. [۳] فضول بحث مباحثہ کرنے والوں کے لئے.

(اولئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین) یہ تو ہوا ناراضگی کا اظہار آگے ایسے لوگوں کی سزا کا بیان بھی فرما دیا اور صاف کہدیا کہ لھم فی الدنیا خزیٌ ولھم فی الاخرۃ عذابٌ عظیم یعنی مساجد میں ذکر خدا سے منع کرنے والے ظالم صفت لوگوں کے لئے اس دنیا میں ذلت اور رسوائی لکھدی گئی ہے اور اسی پر بس نہیں آخرت میں بھی ان کو اس جرم کے بدلے سخت عذاب دیا جائیگا۔

دوسری اقوام کی عبادت گاہوں کی حالت | بتلائیے دنیا میں کونسا مذہب اور کونسی قوم ہے جس نے اپنے سوا دوسری قوموں کو اپنی عبادت گاہوں میں داخلے کی اجازت دیکر رواداری کا ثبوت دیا ہو، امریکہ کے اصلی باشندے اگر کبھی سفید رنگ فاتح اقوام کے گرجاؤں میں داخل ہوجاتے ہیں تو اس کی سزا میں انھیں زندہ آگ میں جلا دیا جاتا ہے۔ چند سال ہوئے ایسے ہی ایک واقع کی اطلاع اخباروں میں شائع ہوئی تھی۔

عیسائیوں کے گرجا | دور کیوں جائیے۔ یہاں ہندوستان ہی میں دیکھ لیجئے۔ یورپین عیسائیوں اور دیسی عیسائیوں کے گرجا علیحدہ علیحدہ بنے ہوئے ہیں۔ یعنی دوسری قوموں سے تو درکنار خود اپنے ہم مذہبوں سے بھی کسی قسم کی رواداری نہیں برتی جاتی لیکن آپ نے آج تک کبھی نہ سنا ہوگا کہ امرا کے نماز پڑھنے کی مسجدیں اور ہیں غربا کی اور، خود کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی جو مسلمانوں کی تمام دنیا میں مقدس ترین عبادت گاہیں ہیں وہاں سلطان وقت بھی ہاتھ باندھ کر ادب سے خدا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے اور ایک گدائے بے نوا بھی۔ نہ کسی قسم کی روک ٹوک ہے اور نہ کسی کی مجال ہے کہ روک سکے۔ شاہجہاں نے لاکھوں روپے خرچ کرکے دہلی میں شاہی مسجد بنائی لیکن وہ خود بھی اسی میں نماز پڑھتا رہا اور شہر کا غریب سے غریب باشندہ بھی اس کے دوش بدوش مصروف عبادت رہا۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ حیدرآباد میں باغ عامہ کی مسجد میں فرمانروائے وقت حضور نظام بھی جمعہ کی نماز ادا فرماتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی شہر کے سینکڑوں غربا بھی نماز پڑھتے ہیں۔

ہندوؤں کے مندر | عیسائیت کو چھوڑ کر ہندو مذہب پر نظر ڈالئے۔ آجکل اچھوتوں کے مندروں میں داخل ہونے کے متعلق ملک میں ہر طرف جنگ و جدل برپا ہے۔ اور کتنے گرما گرم مجادلے روزمرہ فریقین کے درمیان ہوتے رہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی جہاں کہیں اچھوتوں نے مندروں میں داخل ہونا چاہا ہے وہاں اکثر مقامات پر لٹھ بھی چل گئے ہیں۔ جہاں اچھوتوں کا رخ مندروں کی طرف دیکھا فوراً مہنت جی مہاراج نے

مقدس مندر کا دروازہ بند کیا۔ یاد رہے کہ یہ حال برادرانِ وطن کا ان لوگوں کے ساتھ ہے جن کو وہ اپنا کہتے نہیں تھکتے اور مردم شماری کے وقت جن کو ہندو لکھوانے کی کوشش میں زمین آسمان ایک کر دیتے ہیں دوسرے تو پھر غیر ہیں۔ پس درود بھیجئے پاکبازوں کے اس سردار پر جس نے غیرت اور نفرت وحقارت کے ہر ایک ذرہ کو دلِ مسلم سے نکال کر پھینک دیا۔ اور دنیا میں کامل طور پر غیروں سے رواداری برتنے کی تلقین کی۔ کیونکہ اس کے بغیر دنیا کی مختلف اقوام میں محبت ویگانگت پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔

۱۴۔ دوسروں سے معاشرت کی تعلیم — اخلاق اور حسن معاشرت کے جو اصول اسلام نے تعلیم کئے ہیں وہ سارے کے سارے محبت یگانگت اور آپس کی ہمدردی کو بڑھانے والے ہیں اور وہ ایسے محکم اصول ہیں کہ آج بھی دنیا ان کو اصول تمدن وتہذیب کے لئے لازمی سمجھتی ہے۔ مگر دیکھنے کی خاص بات یہ ہے کہ اسلام نے اخلاقی اصول کے برتنے میں جہاں آپس میں ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھا ہے۔ وہاں دوسری قوموں سے معاشرت میں ان کے جذبات کا بھی خاص طور پر خیال رکھا ہے اور اس بات کی تاکید فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لینے اور دینے کے اوزان ایک ہی رکھے ہیں۔ جس بات کو اپنوں کے لئے ناپسند کیا ہے اس کی دوسروں کے لئے بھی ممانعت کر دی ہے۔ اور یہی اعلیٰ درجہ کی رواداری ہے جو اسلام نے دوسری قوموں کے ساتھ روا رکھی ہے۔ سنئے جہاں اپنوں کے متعلق اس بات کا حکم دیا ہے کہ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا (اے مومنو! ایک دوسرے کے گھروں میں بغیر اجازت حاصل کئے داخل نہ ہوا کرو) وہاں غیروں کے متعلق بھی صاف طور پر بلکہ زیادہ سخت طریقہ سے ارشاد نبوی ہے کہ ان اللہ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتب الا باذن (بیشک اللہ نے تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں رکھی کہ تم اہل کتاب کے گھروں میں ان کی بغیر اجازت داخل ہو)

۱۵۔ اشیاء خوردنی میں رواداری کی تعلیم — اسلام کے علاوہ بعض دوسری قوموں میں آپس میں اتنی معمولی رواداری بھی نہیں ہے کہ وہ آپس میں ایک جگہ بیٹھ کر ایک ساتھ کھانا بھی کھا سکیں۔ اگر کسی غیر نے ان کے برتنوں کو ہاتھ بھی لگا دیا تو برتن اور جو کچھ اس میں ہے سب ناپاک اور پھینک دینے کے قابل ہو گیا۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ جس مذہب میں اتنی معمولی سی رواداری بھی موجود نہیں وہ عالمگیر بننے

اور اصول فطرت کے مطابق ہونے کا کس طرح دعویٰ کر سکتا ہے۔ مگر اسلام نے یہ رواداری بھی نہایت فیاضی کے ساتھ غیر مسلموں سے برتی اور صاف فرمادیا کہ الیوم احل لکم الطیبٰت وطعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم (اے مسلمانو! تمام دنیا کی پاکیزہ چیزیں (خواہ کسی مذہب وملت کے افراد کے ملیں) تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں۔ ہاں بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کے ہاں کا کھانا بھی ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں؟ تو انہیں اس کی بھی اجازت ہے مگر اس کے لئے بھی طیب کی شرط ضروری ہے۔ کیونکہ مسلم کو کسی ایسے کھانے یا خوراک کی اجازت نہیں دی گئی جس کے کھانے سے انسان کی صحت بگڑ جائے مثلاً مردار کا گوشت۔ یا جس کے کھانے سے کراہیت اور نفرت آئے جیسے خون وغیرہ یا اخلاق پر برا اثر پڑے مثلاً سور کا گوشت یا شراب وغیرہ۔ یا ایمان خراب ہو جیسے بتوں کے نام کی قربانیاں۔ ان چاروں باتوں کو قرآنِ حکیم نے نہایت ہی جامعیت کے ساتھ ایک چھوٹی سی آیت میں بیان فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ (تم پر مردار۔ خون سور کا گوشت اور ہر وہ چیز حرام کردی گئی جو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے حلال کی جائے)۔

۱۶۔ ایفائے عہد کے ذریعے رواداری کی تعلیم

دوسروں سے رواداری کی ایک اعلیٰ تعلیم اسلام نے یہ دی کہ جو وعدہ ان سے کیا جائے وہ پورا کرو۔ حکومت۔ عزت۔ طاقت یا نسبی غرور تم کو وعدہ خلافی پر آمادہ نہ کرے۔ یہاں بھی اسلام نے وہی اصول برتا ہے۔ یعنی جہاں آپس داری میں یہ ارشاد فرمایا۔ اوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا (وعدہ کو پورا کرو۔ بیشک وعدہ کے متعلق آخرت میں پوچھا جائیگا) وہاں غیروں سے معاملہ کرتے وقت بھی اس بات کی تاکید فرمائی کہ فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم (جو عہد وپیمان ان سے کیا ہے اس کو اس کی مدت تک پورا کرو) جن مسلمانوں نے زمانۂ جاہلیت میں کسی شخص سے کوئی وعدہ یا اقرار کیا تھا مسلمان ہونے کے بعد اس کے ایفا کے متعلق انہوں نے حضورؐ سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اوفوا بحلف الجاھلیۃ فانہ لا یزیدہ (یعنی الاسلام) الا شدۃ (ترمذی) (یعنی جاہلیت کے وعدہ کو پورا کرو کیونکہ اسلام وفائے عہد کو اور زیادہ مضبوط کرنے کا حکم دیتا ہے)

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا من قتل معاھدا لم یرح

رائحتہ الجنتہ (جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کردیا جس سے معاہدہ ہو وہ آدمی جنت کی بو بھی نہیں پائیگا) انھیں عبداللہ بن عمرؓ سے بخاری میں روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے عہد کو توڑ ڈالے جھوٹ بولے۔ وعدہ خلافی کرے۔ لڑائی جھگڑے میں فحش بکے (یہ ساری باتیں خواہ اپنوں کے ساتھ کرے یا غیر مسلموں کے ساتھ) وہ مسلمان نہیں بلکہ پکا منافق ہے اور منافق کے متعلق قرآنی وعید ہے کہ ان المنٰفقین فی الدرک الاسفل من النار۔ یعنی منافقین دوزخ کے سب سے نچلے حصہ میں پھینکے جائینگے۔

۱۱۔ غیروں کی دلآزاری کے متعلق تعلیم

اسلام نے رواداری اور اصولِ مساوات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک اعلیٰ پایہ کا یہ قانون مقرر کیا کہ لوگوں کی دلآزاری کی ممانعت کردی چنانچہ ارشاد فرمایا لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم وکان اللہ سمیعاً علیماً۔ یعنی اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کی نسبت کوئی دلآزار بات زبان سے نکالے (خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) ہاں اگر کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کا اظہار کرے تو خیر۔ مگر اس اظہار ظلم میں بھی اس بات کا خاص طور پر یہ خیال رکھے کہ مخالف کی طرف کوئی جھوٹ بات منسوب نہ کرے کیونکہ اللہ کو اصل حال کی بھی خبر ہے اور جو کچھ تم زبان سے کہتے ہو وہ بھی سنتا ہے۔

یہ قانون مقرر فرما کر اسلام نے بہت سے ان فتنوں کا دروازہ بند کردیا جو دوسروں کی عیب جوئی یا دلآزاری سے پیدا ہوسکتے ہیں۔

حالتِ جنگ میں دشمنوں کے ساتھ سلوک کے متعلق اسلامی تعلیم

یہ تو ہوئیں امن کی حالتیں۔ اگر لڑائی اور جنگ کا موقع پیش آجائے تو اسلام نے اس وقت بھی دشمن سے انتہائی رواداری اور حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے۔ اگرچہ دشمنوں نے شدید دشمنی، قتل و غارت ظلم و جور اور بے رحمی و بے دردی کی خود ابتدا کرنے اور اسے انتہا تک پہنچا دینے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی مگر اسلام نے ایسے صعب وقت میں جبکہ بڑے سے بڑے متحمل اور بردبار انسان کے ہاتھ سے بھی رشتہ صبر چھوٹ جاتا ہے اعلیٰ درجہ کی ہمدردی۔ انتہائی رواداری اور بے مثل تحمل کی تعلیم دی

خدا کے ہزاروں ہزار درود و سلام ہوں اس انسان کامل پر جس نے اپنی ذات میں اس ہمدردی، رواداری اور تحمل کا ایسا محیر العقول نمونہ دکھایا کہ دنیا ششدر رہ گئی۔

مسلمانوں نے تلوار کیوں ہاتھ میں لی؟

اس معاملہ میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اور وہ ایسے کیا حالات تھے جن کے باعث مجبور ہو کر مسلمانوں کو تلوار ہاتھ میں لینی پڑی؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کفار کا ظلم سہتے سہتے مسلمان عاجز آ گئے تو مجبور ہو کر بے سر و سامانی کی حالت میں مکہ سے نکلے اور مدینہ میں جا بسے۔ مگر یہاں بھی تکالیف کا خاتمہ نہ ہوا۔ انتہا یہ کہ دین اسلام کو دنیا سے ملیامیٹ کر دینے اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کر دینے کے لئے ایک جرار لشکر لے کر کفار مکہ نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ اس انتہائی مجبوری کی حالت میں سوائے اس کے کیا چارۂ کار باقی رہ گیا کہ تلوار کا تلوار سے مقابلہ کیا جائے۔ تاہم خدائے برحق کے مٹھی بھر پرستار آسمانی آواز اور خدائی حکم کے منتظر تھے۔ چنانچہ عین موقع پر خدا کا پاک فرشتہ پیغام لایا۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ نِ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا۔ یعنی ان لوگوں کو جن پر ظلم ہوا اور جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ لڑائی کی اجازت دی گئی اور اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی امداد پر قادر ہے اگر ایسی اجازت نہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے نہ ہٹاتا رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پھر لوگ تعصب اور جہالت کی وجہ سے معبد۔ گرجا۔ عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں خدا کی پرستش کی جاتی ہے ڈھا دیں۔

دیکھئے اور غور کیجئے یہ کتنی عظیم الشان رواداری ہے جو اسلام نے تمام غیر مسلموں کے ساتھ برتی۔ یعنی ان کی عبادتگاہوں کی حفاظت کیلئے اگر ضرورت پڑے تو اجازت دی کہ بیشک مسلمان تلوار سے کام لیں اس سے بڑھکر یا کم از کم اس کے برابر ہی دنیا کا کوئی مذہب رواداری کی تعلیم ہمیں اپنی کتاب سے نکالکر دکھا دے تو ہم جانیں۔

میدان جنگ میں بے نظیر رواداری کی تعلیم	اسلام نے حالت جنگ میں بھی دشمن سے پوری پوری رواداری برتنے کی تلقین کی ہے۔ مثلاً

(۱) جنگ میں خود پیش قدمی سے روکا۔

(۲) ظلم و زیادتی کی ممانعت کی۔

(۳) جنگ کی صرف اس وقت تک اجازت دی جب تک کہ فتنہ و فساد فرو نہ ہوجائے۔

(۴) دشمن کے قاصدوں کو امن دیا۔

(۵) دشمن کی عورتوں، بچوں اور معذور لوگوں کو مارنے سے منع کیا۔

(۶) سرسبز کھیتوں اور پھلدار درختوں کے کاٹنے کی ممانعت فرمائی۔

(۷) عبادت گاہوں کو ڈھانے اور تارک الدنیا عابدوں اور مذہبی بزرگوں کو قتل کرنے سے روکا۔

(۸) اسیران جنگ کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت فرمائی۔

(۹) دشمن اپنے کو کمزور دیکھ کر اگر صلح کی درخواست کرے تو اسے قبول کرلینے کا ارشاد فرمایا۔

(۱۰) نقض عہد کی ممانعت فرمائی۔

(۱۱) پناہ میں آجانے والے غیر مسلم کو امن دینے اور عافیت سے رکھنے کی تاکید فرمائی۔

(۱۲) محض مال غنیمت کی غرض سے جہاد کرنے کی ممانعت فرمائی۔

(۱۳) لوٹ کے مال کو مال حرام فرمایا۔

(۱۴) معاہدہ کرنے والے ذمیوں کی جان و مال کی پوری پوری حفاظت کا مسلمانوں کو ذمہ دار ٹھیرایا

اب ہم نمبروار ہر ایک بات کو لیتے ہیں اور سب باتوں کے متعلق مختصر طور پر احکام خداوندی اور ارشادات نبوی بتانے کے بعد مضمون کے اس حصہ کو ختم کرتے ہیں۔

۱۔ پیشقدمی کی ممانعت | (۱) ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ۔ جب تک کافر تم سے نہ لڑیں تم بھی پیشقدمی نہ کرو۔

۲۔ ظلم کی ممانعت | (۲) وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین

اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی ہرگز نہ کرو۔ اللہ کو ایسے آدمی پسند نہیں" یہاں صرف ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے، جنہوں نے خود لڑنے میں سبقت کی اور لشکر لیکر چڑھ آئے۔ مگر شانِ رواداری دیکھئے کہ اس پر بھی مسلمانوں کو تاکید کی جاتی ہے کہ دیکھنا کہیں کافروں پر زیادتی نہ ہونے پائے اور فی سبیل اللہ کا لفظ فرما کر اس بات کی بھی تاکید فرمائی کہ کافروں سے جنگ اپنے ذاتی اغراض اور ذاتی دشمنی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ محض خدا کے واسطے اور رضائے الٰہی کے لئے ہو ورنہ بیکار اور فضول ہے۔

۳۔ ناحق لڑنے کی ممانعت | (۳) وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ۔ یعنی وہاں تک لڑو کہ ملک میں فتنہ وفساد باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ تمہاری جنگیں اور تمہاری لڑائیاں کفار اور دوسرے لوگوں سے اس وقت تک رہیں جب تک کہ ملک میں فتنہ وفساد برپا رہے اور جب تک خدا کے بندوں کو یہ فسادی لوگ مذہب کی بنا پر دکھ اور تکلیف پہنچانے سے قطعی طور پر باز نہ آجائیں۔ اور لوگوں کو خدا کے دین پر چلنے میں پوری پوری آزادی حاصل نہ ہو جائے۔ کسی پر کوئی شخص مذہبی لحاظ سے جبر اور سختی نہ کر سکے۔ جب امن کی یہ حالت پیدا ہو جائے تو پھر فوراً ہتھیار رکھ دو۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خدا نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت صرف اس لئے دی کہ انسان کی رائے اور ضمیر کو کامل آزادی مل جائے۔ حکومت و سلطنت اور شوکت وغلبہ ان جنگوں کا مقصد ہرگز نہ تھا اور یہ بہت بڑی رواداری ہے جو اسلام نے تمام دنیا کی اقوام سے ملحوظ رکھی کہ ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی آزادی عطا فرمائی۔ نہ صرف یہ بلکہ جہاں یہ آزادی حاصل نہ ہو وہاں مسلمانوں کو حکم دیا کہ بزور شمشیر دنیا میں اس آزادی کو قائم کر دیں اور جب تک ہر شخص کو یہ آزادی حاصل نہ ہو جائے تلوار میان میں نہ کریں۔

۴۔ قاصدوں سے حسن سلوک کی تعلیم | (۴) اسلام سے پہلے عام دستور تھا کہ جہاں کوئی بادشاہ کسی دوسرے بادشاہ کے ایلچی اور قاصد سے کسی بات پر ناراض ہوا فوراً اس کو قتل کر دیتا تھا۔[۱]

---

[۱] سیرۃ النبی شبلی ج ۱ ص ۱۵۵۔

مگر اسلام ہی ہے جس نے سب سے اول دشمن کے قاصد کا یہ حق قائم کیا کہ اسے قتل نہ کیا جائے چنانچہ ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کے دو قاصدوں نے جب بارگاہِ رسالت میں گستاخانہ کلام کیا تو حضورؐ نے فرمایا۔ لو کنت قاتلاً رسولاً لقتلتکما (اگر میں قاصد کو قتل کر دینے والا ہوتا تو تم کو ابھی قتل کر دیتا) حدیث کے راوی عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے یہ طریقہ قانون بن گیا کہ ایلچی کو ہرگز قتل نہ کیا جائے اگرچہ وہ اپنی بدزبانی کی وجہ سے مستحقِ قتل ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ کمزوروں کے ساتھ حسن برتاؤ کی تعلیم

(۵) صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء والصبیان (آنحضورؐ نے جنگ میں عورتوں اور بچوں کے قتل سے روکا ہے۔ جب حضورؐ کوئی مہم کہیں روانہ فرماتے تو سردارِ لشکر کو لازمی طور پر حکم دیتے۔ لا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً ولا صغیراً ولا امرأۃ (ابوداؤد ج ص ۱۰) یعنی کسی کہن سال بوڑھے کو قتل کرو نہ کسی بچے کو۔ نہ کسی کم سن کو اور نہ کسی عورت کو۔"

ایسے وقت میں جبکہ جنگ و جدل کے بادل ہر طرف چھائے ہوئے ہیں۔ دوست دشمن کی تمیز اٹھ گئی ہو۔ ہر ایک طرح سے دشمن پر غلبہ کی تدبیر کی جاتی ہو۔ اس وقت بھی اس انسانِ کامل نے اعلیٰ درجہ کی رواداری کی تعلیم اپنے پیروؤں کو دی کہ عورتیں اور بچے جو لڑ نہیں سکتے انھیں مت مارو۔ اگرچہ ان کے جوانوں سے تمہیں کتنا ہی نقصان پہنچے۔

۶۔ سرسبز درختوں کے کاٹنے اور دشمن کی عبادتگاہوں کو گرانے کی تعلیم

(۶۔) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے فوراً بعد جب حضرت صدیق اکبرؓ جیش اسامہ کو روانہ فرمانے لگے تو ان کو منجملہ اور نصیحتوں کے نہایت زور کے ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ:

لا تخونوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا الطفل ولا الشیخ ولا المرأۃ ولا تعقروا نخلاً ولا تحرقوا ولا تقطعوا شجرۃ ولا تذبحوا شاۃ ولا بقرۃ ولا بعیراً الا لاکلہ واذا مررتم بقوم فرغوا انفسہم فی الصوامع فدعوہم وما فرغوا انفسہم لہ۔

(ابن خلدون ج ۲۔ الجزء الثانی ص ۶۵) یعنی نہ خیانت کرنا۔ نہ دھوکا دینا۔ بدعہدی نہ کرنا۔

کسی شخص کے ہاتھ کان ناک وغیرہ کاٹنا۔ کسی بچے، بڈھے اور عورت کو قتل کرنا۔ نہ کسی کھجور کے پیڑ کو جڑ سے اکھاڑنا۔ نہ کسی پھلدار درخت کو جلانا اور نہ کاٹنا۔ نہ اکل کی ضرورت کے سوا نہ کسی بکری کو ذبح کرنا۔ نہ کسی گائے کو اور نہ کسی اونٹ کو۔ اور جب تم راہبوں کے صومعوں کے پاس سے گزرو تو ان سے اور ان کے گرجوں سے کچھ تعرض نہ کرو۔ اور ان کے حال پر چھوڑ دو۔

۸۔ اسیران جنگ کے متعلق تعلیم

(۸) اسیران جنگ کے ساتھ اسلام سے قبل فاتح نہایت برا برتاؤ کرتے تھے نہ انھیں کھانے کو دیتے نہ ان کی خبر گیری کرتے۔ اسلام کے بعد بھی جب کبھی مسلمان کسی جنگ میں غیر قوموں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے ہیں تو انھوں نے ان کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ چنانچہ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں جب مشہور سیاح ابن جبیر کا جزیرہ سسلی میں گزر ہوا تو اس نے وہاں مسلمان قیدی دیکھے جو عیسائیوں کے ہاتھ میں قید تھے اور وہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دے رہے تھے۔ ابن جبیر کے الفاظ یہ ہیں۔

ومن الفجائع التی یعاینہا من حل بلادھم اسری المسلمین یرسفون فی القیود ویصرفون فی الخدمۃ الشاقۃ والاسیرات المسلمات کذلک فی اسوقھن خلاخیل الحدید فتنفطر لھم الافئدۃ (سفرنامہ ابن جبیر مطبوعہ لیڈن ص ۳۰۷) یعنی منجملہ اور دگر دردانگیز مناظر کے جو یہاں کے شہروں میں نظر آتے ہیں وہ مسلمان قیدی ہیں جو بیڑیاں پہنے دکھائی دیتے ہیں اور ان سے نہایت شدید اور سخت محنت لی جاتی ہے جو مسلمان عورتیں قید ہیں ان کی پنڈلیوں میں لوہے کے وزنی کڑے پڑے ہوئے ہیں اور ان سے اتنی سخت مشقت لی جاتی ہے کہ دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے۔

دیکھا آپ نے غیر قوموں کا سلوک اور برتاؤ اپنے اسیران جنگ سے۔ اب آیئے اسلام کی طرف۔ وہاں ہم صاف لکھا ہوا پاتے ہیں کہ سچے مومن کی نشانی ہی یہ ہے کہ وہ قیدیوں کو آرام سے رکھے اور ان کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا (علی۔

کا مطلب یہ ہے کہ اسیروں کے ساتھ سلوک دنیوی اغراض کے لئے نہ ہو بلکہ محض خدا تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ہو۔ اور یہ سمجھ کر ہو کہ یہ بھی اسی خدا کی مخلوق ہے جس کے ہم بندے ہیں۔ اس آیت کے بعد صحابہؓ کا یہ طرزِ عمل تھا کہ خود بھوکے رہتے اور اسیرانِ جنگ کو کھانا کھلاتے تھے۔ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۵۵۲)

۹۔ درخواستِ صلح قبول کر لینے کی تعلیم

(۹) ارشادِ خداوندی ہے کہ وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ۔ اگر کافر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کر لو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اسلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ کسی طرح دنیا میں امن قائم ہو جائے اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اگر کچھ دبنا بھی پڑے تو دب لو۔

۱۰۔ بدعہدی کی ممانعت

(۱۰) نقضِ عہد کے متعلق تمام تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ عہدِ نبوت اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں پابندئ عہد کی حیرت انگیز مثالیں کتبِ تواریخ میں مذکور ہیں۔

۱۱۔ پناہ میں آئے ہوئے شخص کے متعلق تعلیم

(۱۱) اگر کوئی غیر مسلم دشمن ایامِ جنگ میں مسلمانوں کے ہاں اس غرض سے آئے کہ مذہب کے متعلق کچھ تحقیق کرے تو اس کے متعلق کمال رواداری سے کام لیکر اسلام نے یہ قانون بنا دیا کہ جب تک وہ مسلمانوں میں رہے اس کی جان اور مال پورے طور پر امن میں ہیں۔ اور کوئی اُسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جب وہ جانا چاہے تو مسلمانوں کا فرض قرار دیا کہ اسے امن اور حفاظت کی جگہ پہنچا دیں۔ (وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغه مأمنه) یعنی مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو۔ اور دینِ حق کی اسے اچھی طرح تبلیغ کر دو۔ پھر اس کو اس کے امن کی جگہ حفاظت سے واپس پہنچا دو۔

۱۲۔ محض لالچ کے لئے جہاد کی ممانعت

(۱۲) ایک شخص نے آنحضورؐ سے سوال کیا کہ رجل یرید الجهاد فی سبیل اللہ وهو یبتغی عرضا من عرض الدنیا فقال النبی ﷺ لا اجر له۔ (ابوداؤد) یعنی کوئی آدمی خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس کی یہ بھی خواہش ہے کہ کچھ دنیوی فائدہ (مالِ غنیمت) بھی حاصل ہو جائے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اسے جہاد کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ جہاد امن قائم کرنے کے لئے اور محض رضائے الٰہی کے واسطے ہو۔ مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جو جہاد کیا جائے خدا کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں۔

۱۳۔ مالِ غنیمت کے متعلق تعلیم

(۱۳) عام دستور تھا کہ جب فوج اپنی جگہ سے چلتی تو راستہ میں جو کچھ نظر آتا اسے سپاہی لوٹ لیتے اور اپنے تصرف میں لے آتے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ فوج کے گزرنے کے بعد راستوں میں لوٹ کھسوٹ۔ قتل و غارت اور تباہی و بربادی کا بازار گرم ہو جاتا۔ اسلام آیا تو اس نے اس حرکت کی سخت ممانعت کر دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب فوج نے چند بکریاں پکڑ کر ذبح کر ڈالیں تو حضورؐ نے پکی ہوئی ہانڈیاں خود دستِ مبارک سے اٹھا اٹھا کر پھینک دیں اور ارشاد فرمایا "لوٹ کا مال مردار گوشت کی مانند ہے" (ابوداؤد۔ کتاب الجہاد جلد ثانی) دیکھئے یہ حکم دیکر اسلام نے لوگوں کے مال کی کس قدر حفاظت فرما دی اور ان کو لٹنے سے بچا دیا۔ بتلایئے اس سے زیادہ دشمن کے ساتھ رواداری اور کیا ہو سکتی ہے

۱۴۔ ذمیوں کی حفاظت کے متعلق تعلیم

(۱۴) ذمی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو مسلمان نہ ہوں مگر مسلمانوں کے ملک میں سکونت رکھیں۔ ایسی غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو حیرت انگیز رعایتیں اسلام نے برتی ہیں۔ جس فیاضی کے ساتھ ان کو شہری حقوق عطا کئے ہیں اور جس قدر رواداری کے ساتھ ان سے برتاؤ کیا ہے اس کی نظیر بلاشبہ اس دورِ تمدن و تہذیب میں بھی نہیں ملتی۔

وہ حقوق جو ذمیوں کو حضورؐ نے دیئے

ذمیوں کو جو شہری اور معاشرتی حقوق آنحضورؐ نے مرحمت فرمائے وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) جب کوئی شخص ان پر حملہ آور ہوگا تو مسلمان ان کی طرف سے اس کی مدافعت کریں گے۔

(۲) ان کو ان کے موجودہ مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا۔ (اپنی خوشی اور مرضی سے کوئی شخص اپنے مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہو جائے تو علیحدہ بات ہے)

(۳) جزیہ (حفاظت کا معمولی معاوضہ) لینے کے لئے خود وصول کنندہ رعایا کے پاس آیا کرے گا رعایا کو اس کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(۴) ان کی جانیں محفوظ رہیں گی۔

(۵) ان کے مال کی حفاظت کی جائیگی اور ظلم یا جبر سے ان سے ایک پائی بھی وصول نہیں کی جائیگی۔
(۶) ان کے تجارتی اور معمولی قانون کی اندرونِ ملک میں پوری پوری حفاظت کی جائیگی۔
(۷) ہر وہ چیز جو کسی ذمی کے قبضہ میں ہے اسی کے قبضہ میں رہیگی۔
(۸) پادری۔ رہبان اور عبادت گاہوں کے پجاری اپنے موجودہ عہدوں سے علیحدہ نہیں کئے جائینگے
(۹) صلیبوں اور بتوں وغیرہ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا (یہ علیحدہ بات ہے کہ قومیں مسلمان ہونے کے بعد خود اپنے بتوں اور صلیبوں کو توڑ دیں)
(۱۰) ان سے عشر نہیں لیا جائے گا۔
(۱۱) ان کے ملک میں فوج نہیں بھیجی جائے گی اور نہ فوج گذرتے ہوئے ان کے علاقہ میں کسی قسم کی تباہی پھیلائے گی۔
(۱۲) ان کو وہ سارے حقوق حاصل رہیں گے جو اس سے پہلی سلطنت میں ان کو حاصل تھے۔
(۱۳) یہ حقوق ان لوگوں پر بھی حاوی ہوں گے جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔ حاضر غائب کو سنا دیں اور غائب سن کر ان پر کاربند ہوں۔ (فتوح البلدان)

غور کیجئے اور تلاش فرمائیے کہ اپنی رعایا کے ساتھ یہ روادارانہ برتاؤ اسلام سے پہلے یا بعد میں کسی سلطنت یا بادشاہ نے کیا تھا؟ تاریخ کے صفحات آپ کو اس کے جواب سے ساکت نظر آئینگے پس مجھے کہنے دیجئے کہ یہ رواداری کا سلوک اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت ہے اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی ایک زبردست دلیل۔

یہ ہے جنگ کے متعلق اسلام کا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ۔ جس کی تفصیل ہم نے اوپر لکھی۔ اس کو پڑھکر یہ حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے کہ جنگ جو اسلام سے پہلے ہر طرح کے ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی۔ اسلام کی مقدس تعلیم نے اس کو اعلائے کلمۃ اللہ، قیام امن، رفع فساد اور اعانت مظلوم کی صورت میں بدل دیا۔ اللہ کی ہزاروں برکتیں نازل ہوں اس پاک نبیؐ پر جس کے وسیلے سے ہم کو ایسا پاکیزہ اور ایسا بہترین مذہب ملا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

غیر مسلموں کے متعلق اسلام کی جو ہدایات و تعلیم تھی اس کی تفصیلات ہم ختم کر چکے۔ اب نہایت مختصر طور پر یہ بتلائیں گے کہ آنحضورؐ کا عمل اور آپ کا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ کیسا تھا۔ تاکہ قول اور عمل دونوں ناظرین کے سامنے آجائیں۔

(ب) آنحضرتؐ کا سلوک غیر مسلموں کے ساتھ

عرب میں بالعموم دو قومیں آباد تھیں۔ ایک بت پرست اور دوسرے اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) اور انھیں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ پڑا۔ اب ہم علیحدہ علیحدہ دکھلائیں گے کہ رحمت للعالمینؐ نے ان دونوں قوموں سے کیسا برتاؤ کیا؟

۱۔ بت پرستوں کے ساتھ حضورؐ کا برتاؤ

بجائے بد دعا کے دعائے ہدایت

کفار مکہ کے ظلموں پر صبر یہ وہ لوگ تھے جو آپ کے ہم قبیلہ اور ہم وطن تھے اور انہی کو آنحضرت صلعم نے سب سے پہلے تبلیغ کی جو جو تکلیفیں اور اذیتیں کفار مکہ نے اس جرم میں آپ کو اور آپ کے ماننے والے نفوس مقدسہ کو دیں قلم میں طاقت نہیں کہ ان کی تفصیل لکھ سکے۔ مختصر یہ کہ کوئی تکلیف ایسی باقی نہ رہی جو پیغمبر امنؐ کو پہنچا کر کفار نے راحت محسوس نہ کی ہو۔ اور کوئی اذیت ایسی نہ رہی جسے مسلمانوں کو دیکر قریش نے خوشی نہ منائی ہو۔ خدا کا رسول ان سب آلام و مصائب کو نہایت صبر کے ساتھ برداشت کرتا رہا۔ اور کوئی کلمہ بددعا کا ان کے متعلق استعمال نہیں کیا اور جب ایک صحابی (خباب بن ارت) نے اس مسلسل تکلیف دہی سے تنگ آکر بارگاہ رسالت میں ایسے ملعونوں کے لئے بددعا کی درخواست کی تو حضورؐ نے فرمایا ابھی سے گھبرا گئے۔ تم سے پہلے تو ایسے لوگ گزر چکے ہیں جن کے سر آروں سے چیرے گئے اور انھوں نے اُف تک نہ کی۔ تاہم صبر کرو۔ یہ فساد اور بدامنی کا دور عنقریب ختم ہوا جاتا ہے اور تم دیکھو گے کہ ایک شتر سوار صنعاء سے حضرموت تک تنہا سفر کرے گا اور امن و سلامتی کا یہ عالم ہو گا

(آج جہاں خدا کے رسول کو بھی امن نہیں وہاں) اسے سوائے خدا کے اور کسی کا مدد نہ ہوگا۔

اہل طائف کا سلوک آپ کے ساتھ | مکی زندگی کے دوران میں جب سرور عالم طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے باشندوں کو خدا کا مقدس پیغام پہنچایا تو سعادتمندی سے قبول کرنے کی بجائے بدمعاشوں نے شیطانوں کو فرشتہ رحمت کے پیچھے لگا دیا جنھوں نے اتنے پتھر مارے کہ حضور اپنے ہوش میں نہیں رہے۔ اور جسم مبارک سے خون نکل کر جوتیوں میں جم گیا۔ جانتے ہو اس سلوک کا بدلہ رحمت اللعالمین نے کیا دیا؟ جب خدا کا پیغام پہنچا کہ کہو تو پتھروں کی بارش سے اس خبیث قوم کو ہلاک کر دیا جائے؟ تو بے اختیار اس قدسی صفت انسان کی زبان سے نکلا "نہیں میں نہیں چاہتا۔ شاید ان کی اولاد ہی مسلمان ہو جائے" (صحیح مسلم) مقابلہ کرو اس رحمت۔ اس رواداری اور اس ہمدردی کا۔ اس واقعہ کو جب کہ عالی مرتبت انسان (نوحؑ) نے ایک ایسے ہی موقع پر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بڑے ہی دردانگیز لہجے میں کہا تھا رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (پ ۲۹ ع ۱۰) اے پروردگار زمین پر کسی کافر کو چلتا پھرتا باقی نہ چھوڑیو۔

ہجرت کا منظر | مصیبتیں اٹھانے کی ایک انتہا اور تکلیفیں سہنے کی ایک حد ہوتی ہے۔ جب یہ ناقابل برداشت ہو گئیں اور کفار مکہ تلواریں سونت سونت کر آپ کو قتل کرنے کے لئے آپ کے مکان کے گرد جمع ہو گئے تو اس وقت انتہائی مجبوری کی حالت میں خدا کا رسول رات کی تاریکی میں محب صمیم کو ساتھ لیکر اور چچازاد بھائی کو پلنگ پر لٹا کر مکہ سے یہ کہتے ہوئے نکل گیا کہ "اے زمین مکہ تو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے مگر کیا کروں تیرے فرزند مجھے یہاں نہیں رہنے دیتے" لیکن کوئی کلمہ بددعا یا اظہار غضب کا اس وقت بھی استعمال نہ کیا۔ اتنے لمبے اور اس قدر پرخطر سفر کے لئے یقیناً ایک تجربہ کار، جہاندیدہ اور جاں نثار ساتھی کی ضرورت تھی۔ صدیق اکبرؓ سے زیادہ موزوں اس کام کے لئے اور کون ہو سکتا تھا۔ حیدر کرار کو پلنگ پر کیوں لٹایا؟ اس لئے کہ پاس امانت، عدل و انصاف اور رواداری کی ایک اعلیٰ ترین مثال دنیا میں قائم کرنی تھی۔ یعنی جو امانتیں کفار کی حضورؐ کے پاس رکھی تھیں ان کو ان کے مالکوں تک صحیح سلامت پہنچا دو اور پھر میرے پاس مدینہ چلے آؤ تاکہ بعد میں

کوئی یہ نہ کہے کہ محمد ہماری امانت لیکر چلا گیا۔

واقعہ ہجرت کی دو تصویریں | ذرا مقابلہ تو کرو اس واقعہ کا اس واقعہ سے جبکہ ایسے ہی ظالموں سے عاجز آ کر بنی اسرائیل کا سردار اپنی قوم کو لیکر راتوں رات مصر سے نکلا تھا۔ وہاں کیا ہوا تھا؟ اس کہانی کو توریت کی زبانی سنو:۔

مصر سے چلتے وقت موسیٰؑ نے خداوندی ہدایت کے موافق بنی اسرائیل کے کان میں چپکے سے کہا " کہ دیکھو چلتے چلتے ایک کام کرو۔ تم میں کا ہر ایک مرد اپنے پڑوسی سے اور عورت اپنی پڑوسن سے چاندی اور سونے کے برتن عاریتاً لے۔" (خروج باب ۱۱ آیت ۱) پھر یہ مال غنیمت جمع کرتے ہی مصر کی سرزمین سے نکل جانا۔ چنانچہ وفادار بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے موافق کیا۔ اور انھوں نے مصریوں سے چاندی اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریتاً لئے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انھوں نے وہ عاریتاً دے دیئے اور اس طرح بنی اسرائیل نے مصریوں کو لوٹ لیا۔[۱]

معلوم ہے کہ اس رات مصر سے کتنے اسرائیلیوں نے ہجرت کی؟ توریت میں لکھا ہے کہ لڑکوں اور عورتوں کو الگ رکھ کر صرف مردوں کی تعداد چھ لاکھ کے قریب تھی۔[۲]

اس عظیم الشان تعداد سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس لوٹ میں کتنا بیش قرار مال بنی اسرائیل کے ہاتھ آیا ہوگا۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ سب ایک دفعہ ہی واقع ہوگیا۔ اور بیچارے مصری منہ دیکھتے رہ گئے نہیں، واقعہ کی ساری کڑیاں مسلسل ہیں۔ سب سے اول خدائی نوشتہ میں اس اہم واقعہ کی پیشگوئی کی گئی "اور یوں ہوگا کہ جب تم (یعنی بنی اسرائیل) (مصر سے) جاؤ گے تو خالی ہاتھ نہ جاؤ گے۔ بلکہ ہر ایک عورت اپنی پڑوسن سے اور اس سے جو اس کے گھر میں رہتی ہے چاندی اور سونے کے برتن اور لباس عاریتاً لیگی اور تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے اور مصریوں کو غارت کروگے۔"[۳] اس کے بعد موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے کان میں انھیں ارشاد خداوندی کی تعمیل کے لئے کہا۔ ازاں بعد بنی اسرائیل نے تعمیل

[۱] خروج باب ۱۲۔ آیت ۳۵۔ ۳۶۔ [۲] ایضاً باب ۱۲۔ آیت ۳۷۔ [۳] ایضاً باب ۳۔ آیت ۲۱۔ ۲۲

حکم کرکے پیشگوئی کو پورا کر دکھایا۔ اور درحقیقت مصریوں کو مالی لحاظ سے غارت کر دیا۔

آئیے ہم آپ کو پھر اس انسانِ کامل کی مقدس سیرت دکھانے کے لئے لے چلتے ہیں جس کی نظیر دنیا ہزاروں چکر کھانے کے بعد بھی پیدا نہ کرسکی اور نہ آئندہ کرسکے گی۔

واقعۂ اُحد | بدطینت اور بدسرشتوں نے مدینہ میں بھی حضورؐ کو ایک منٹ چین نہ لینے دیا۔ اور اپنی تکالیف اور ایذارسانی کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ انتہا یہ ہے کہ خدا کے دین کو مٹانے اور خدا کے پیغامبر کو شہید کردینے کے لئے بڑے بڑے لشکر لیکر میدان جدال و قتال گرم کیا۔ مگر اس وقت بھی رحم و کرم۔ رواداری اور ہمدردی کا جو نمونہ حضورؐ نے دنیا کو دکھلایا یقیناً وہ عدیم النظیر تھا۔ اور رہتی دنیا تک عدیم النظیر رہے گا۔ میدانِ اُحد میں حق و باطل صف آرا ہے۔ گھمسان کی لڑائی ہورہی ہے۔ خدا کے دشمن خدا کے پیارے نبی پر تیروں تلواروں اور پتھروں کی بارش کر رہے ہیں جن سے آپ سخت زخمی ہوچکے ہیں چہرہ مبارک خون آلود ہوچکا ہے دو دانت بھی ٹوٹ گئے ہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی تو اس وقت آپ کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے اور اس قدسی صفت انسان اپنے مولا کے حضور میں عرض کیا مگر جانتے ہو اس وقت آپ کے منہ سے کیا الفاظ نکلے؟ سنو آپ نے عاجزی سے کہا رب اغفر قومی فانھم لا یعلمون (صحیح مسلم بیان غزوہ احد) یعنی اے اللہ انہیں معاف فرمادے کیونکہ یہ ناواقف ہیں۔

تمہیں دنیا میں کسی ایسے انسان کا نام معلوم ہے جس نے ایسے سخت اور صعب وقت میں اس کا دسواں حصہ بھی دشمن سے ہمدردی کا نمونہ دکھایا ہو؟ تاریخ عالم کو چھان ڈالو تمہیں اس کا جواب یقیناً نفی میں ملیگا۔

یہ تو ہوا صرف دعا کا معاملہ کہ آپ نے کفار مکہ کی طرف سے انتہائی تکلیفیں پہنچنے کے باوجود ان کے لئے بددعا نہیں فرمائی۔ اگرچہ اپنے افعالِ زشت کی بدولت انھوں نے اپنے آپ کو پورا پورا اس کا مستحق ضرور بنا لیا تھا مگر آئیے اب آپ کو دکھائیں کہ عملی حالت میں آپ نے ایسے سنگدل اور ظالم ترین دشمنوں کے ساتھ کس قدر رواداری کا سلوک کیا۔

عملی حالت میں حضورؐ کا سلوک دشمنوں کے ساتھ

میدان بدر میں پانی بند کرنا | ہر ایک قسم کے ظلم سہنے کے بعد اور ہر طرح کی مصیبتیں اٹھانے کے بعد جب مسلمانوں کو ایک امن کی جگہ مل گئی اور وہ ان کے پنجۂ ظلم سے نکل کر مدینہ میں جا بسے اس وقت رؤسائے قریش اور کفار مکہ نے سوچا یہ تو کچھ نہ ہوئی۔ اب مشق ستم کس پر کریں اور مظالم کے پہاڑ کس پر ڈھائیں۔ بس انہوں نے اپنے بہترین بہادروں کو چنا اور ان کو ہر ایک قسم کے اسلحۂ جنگ سے آراستہ کر کے مدینہ کی طرف کوچ کر دیا۔ تاکہ نام حق کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالیں۔ اور کسی انسان کو جو اللہ کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کا قائل ہو زندہ باقی نہ چھوڑیں۔ اس عزم و ارادہ کے ساتھ جب یہ دشمنانِ حق و صداقت مقام بدر میں خیمہ زن ہوئے تو خدا کا رسول بھی تین سو تیرہ جاں نثاروں کو لیکر جو بہت ہی بے سروسامانی کی حالت میں گھروں سے نکلے تھے میدان جنگ میں آیا۔ اس موقع پر سب سے پہلی رواداری جو حضورؐ نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ برتی وہ یہ تھی کہ جس وقت حضورؐ میدان جنگ میں پہنچے ہیں تو چونکہ ہموار اور سخت زمین پر کفار مکہ پہلے ہی قابض ہو چکے تھے اس لئے حضورؐ کو مجبوراً ریتلی زمین میں اپنے لشکر کو اتارنا پڑا۔ اللہ پاک نے فضل فرمایا فوراً بارش ہو گئی جس سے کفار کے ہاں کیچڑ ہو گئی اور جہاں مسلمان تھے اس کا سارا ریت دب کر زمین نہایت عمدہ اور چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی۔ نیز مسلمانوں نے مٹی روک کر بہت سے حوض پانی سے بھر لئے تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔ حضورؐ کی رحمت اور شفقت اور رواداری دیکھو کہ آپ نے اپنے ان جانی دشمنوں کو بھی عام اجازت دیدی کہ جس کا جی چاہے یہاں سے پانی بھر کرلے جائے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶)

بدر کے قیدیوں کے ساتھ سلوک | پھر کیا ہوا؟ یہی کہ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ تین سو تیرہ بے سروسامان جاں بازوں نے اس لشکر جرار کو شکست فاش دی۔ قریش کی شوکت اور طاقت ملیامیٹ ہو گئی اور وہ حسرت و ندامت کے ساتھ واپس بھاگے۔ بڑے بڑے سرداران قریش جو شجاعت اور بہادری میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے کتوں کی موت مارے گئے اور ستر کے قریب قریش

مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئے۔

غور کا مقام ہے کہ کیا یہ سرکش ظالم اور فتنہ انگیز انسان اس بات کے مستحق نہیں تھے کہ بلا تامل سب کی گردنیں اڑا دی جاتیں؟ مگر آؤ دیکھیں کہ ان سفاکوں اور خونخوار بھیڑیوں کے ساتھ حضورؐ نے کیا سلوک کیا۔

جتنے کفار اس لڑائی میں گرفتار ہوئے تھے حضورؐ نے قبل اس کے کہ ان کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے سب سے پہلے ان کے قیام وطعام کا مناسب انتظام کرنا ضروری سمجھا اور اس کے لئے یہ تدبیر کی کہ صحابہ کو جمع کیا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جنھیں آج خدا نے تمہارا قیدی بنادیا؛ قریش کے بہترین فرزند ہیں اور اپنی قوم میں معزز ومحترم۔ بس یہ کام کرو کہ تم میں سے جو آدمی مقدور رکھتے ہیں وہ ایک ایک دو دو قیدیوں کو اپنے اپنے گھر لیجائیں۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور سارے قیدی صحابہ پر تقسیم کردیئے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا "ان سب کو آرام سے رکھنا"

حضورؐ کے ارشاد پر صحابہ کا برتاؤ قیدیوں کے ساتھ

صحابہؓ نے اس ارشاد نبوی کی اس طرح تعمیل کی کہ اپنے ان بدترین دشمنوں کو جو اس وقت ان کی قید میں تھے اپنے اپنے گھروں پر لے گئے جو خود کھاتے وہی انھیں کھلاتے، جو آپ پہنتے وہی انھیں پہناتے۔ غرض ان کی ہر قسم کی خبر گیری کرتے۔ جن صحابیوں کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ کھانا نہ ہوتا وہ جو کچھ بھی موجود ہوتا پہلے قیدیوں کے سامنے رکھتے اور جب ان سے بچ جاتا تب اپنی بیوی بچوں کو کھلاتے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیز بھی قیدیوں میں تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جس مسلمان کے ہاں قید تھا وہ غریب تھا۔ جب کھانا تیار ہوتا تو روٹی میرے آگے رکھ دیتا اور خود کھجوروں پر گذارہ کرتا۔ مجھے بعض مرتبہ اس کے اس طرز عمل سے شرم آنے لگتی تو میں کھجوریں اٹھا لیتا اور روٹی اس کے لئے چھوڑ دیتا۔ مگر وہ اصرار سے مجھے روٹی کھلاتا اور اپنے آپ کھجوریں کھالیتا۔ ابوعزیز کہتے ہیں کہ یہ سارا روادارانہ اور ہمدردی کا سلوک ہم قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں کا صرف اس وجہ سے تھا کہ آنحضورؐ نے ان کے ساتھ نرمی اور ملائمت کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی تھی (طبری ص ۱۳۳۸)

بدترین دشمنوں پر انتہائی رحم

حضورؐ کی مہربانی کا اسیران جنگ کے ساتھ یہ عالم تھا کہ آپ کو بڑا خیال اس بات کا رہتا تھا کہ قیدیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے بعض کے پاس کپڑے نہ رہے تو حضورؐ نے ان کو کپڑے دلوائے۔ حضرت عباسؓ جو ابھی تک حالتِ کفر میں تھے بہت دراز قد واقع ہوئے تھے۔ کسی مسلمان کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہ اترتا۔ سردار منافقین عبداللہ بن اُبی پاس کھڑا تھا کہنے لگا میرا کرتہ انھیں پہنا دو۔ حضورؐ نے اسے قبول تو فرما لیا مگر کراہیت کے ساتھ۔ عبداللہ بن ابی جب مرا ہے تو اس معمولی سے سلوک کے باعث آنحضورؐ نے اپنا کرتہ اتار کر دیدیا تھا کہ لو اس ہی لے دفن کر دینا۔

انھیں قیدیوں میں ایک شخص تھا سہیل بن عمرو۔ بڑا فصیح و بلیغ انسان تھا۔ قبائل میں آنحضرتؐ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا اور لوگوں کو آپ کی دشمنی پر آمادہ کرتا رہتا۔ اب قید ہو کر آیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ حضورؐ یہ سہیل ہے۔ دشمن خدا اور رسول کا۔ حضورؐ یہ کام کریں کہ اس کے نیچے کے دو دانت نکلوا دیجئے تاکہ پھر اتنی عمدگی کے ساتھ تقریریں کر سکے اور اس طرح اس کے فساد سے ہم امن میں رہیں گے۔ رحمتِ عالمؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ اگر میں اس کے اعضا بگاڑونگا (جسے اصطلاح میں مُثلہ کہتے ہیں) تو خدا میرے اعضا بگاڑ دیگا (طبری ص ۱۳۴۴)

قیدیوں کے متعلق آخری فیصلہ

اب ان قیدیوں کی قسمتوں کے فیصلہ کا وقت تھا۔ یعنی یہ کہ آیا سارے کے سارے اپنے ظالمانہ افعال کی پاداش میں جہنم واصل کر دیئے جائیں یا فدیہ لیکر انھیں چھوڑ دیا جائے یہاں بھی حضورؐ کی رواداری اور رحیمانہ پالیسی نے اپنا کام کیا اور فدیہ لیکر کفارانِ قریش کو چھوڑ دیا گیا۔ جن کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا انھیں حکم ملا کہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھلا دیں اور پھر وہ آزاد ہیں۔ جو ایسے تھے کہ نہ ان کے پاس فدیہ دینے کے لئے کچھ تھا اور نہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے حضورؐ کی شفقت نے نہ چاہا کہ وہ قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں پس وہ بھی آزاد کر دیئے گئے

یہ تھا سلوک ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے حتی الامکان آپ کی جان تک لینے کی کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا تھا۔

رحمت و شفقت کی عجیب مثال

بدر کی ناکامیابیوں کا انتقام لینے کے لئے جب کفار قریش دوسرے سال احد کے مقام پر صف آرا ہوئے تو بڑے زور کا رن پڑا۔ عین معرکۂ کارزار میں حضرت حنظلہ رضہ ایک صحابی نے حضورؐ کی رکاب کو بوسہ دیا اور عرض کیا میرا باپ ابوعامر کفار کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آیا ہے۔ حضورؐ اجازت دیں تو جا کر اس کا خاتمہ کر دوں۔" مگر اس ذات پاک نے جو رحمت و رافت کا مجسمہ تھی گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ اگرچہ باپ کفر کا ساتھی، خدا کا دشمن اور رسول کی جان کا خواہاں تھا۔

کفار کا سلوک محمدؐ کے ساتھ اور محمدؐ کا سلوک کفار کے ساتھ

کفار قریش کے مظالم کی فہرست جو انھوں نے آنحضرتؐ پر توڑے بڑی طویل اور نہایت دردناک ہے۔ تین سال تک آپ کو ایک گھاٹی (شعب ابیطالب) میں محصور رکھا اور اس عرصہ میں نہ غلہ اور نہ کوئی اور چیز آپ کے پاس آنے دی معصوم بچے بھوک سے تڑپتے اور روتے چلاتے مگر ان بے دردوں اور ظالموں پر مطلق اثر نہ ہوتا تھا۔ نہ پوچھو کہ آنحضورؐ نے یہ تین سال کا طویل زمانہ کس مصیبت اور تکلیف میں کاٹا۔

یہ تھا سلوک کفار کا محمدؐ کے ساتھ

رئیس یمامہ ثمامہ بن آثال گرفتار ہو کر بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا۔ مستحق تھا کہ فوراً قتل کر دیا جاتا کیونکہ سخت دشمن اور فتنہ انگیز تھا۔ حضورؐ نے فرمایا "چھوڑ دو"۔ اور ثمامہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جاؤ تم آزاد ہو"۔ عفو و ترحم کی تیز تلوار نے اپنا پورا وار کیا۔ اور ثمامہ اب مسلمان تھے۔ مدینے سے مکہ میں . . . . . آئے تو قریش نے بزدلی اور نامردی کا طعنہ دیا کہ جان کے خوف سے مسلمان ہو گیا۔ ثمامہ کو بڑا غصہ آیا کہنے لگے "اچھا جاؤ اب ایک دانہ غلہ کا سرور عالمؐ کی اجازت کے بغیر تمہیں نہیں دیا جائے گا۔ مرو بھوکے" (مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا) اہل مکہ رئیس یمامہ کے یہ الفاظ سن کر سناٹے میں آ گئے مگر کر ہی کیا۔ چنانچہ یمامہ سے غلہ آنا بند ہو گیا۔ اور اہل مکہ بھوکوں مرنے لگے۔ سخت مجبور ہو کر ایک وفد بحالِ تباہ آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچا۔ اور مصیبت کی رام کہانی رو رو کر عرض کی۔ کیا یہ پورا پورا بدلہ لینے کا بہترین موقع نہیں تھا؟ مگر انتقام کا مادہ اس ذات

قدرتی صفات میں تھا ہی نہیں۔ فوراً ثمامہ سے کہلا بھیجا کہ غلہ مت روکو۔ اب پھر اہل مکہ ویسے ہی خوش تھے اور غلہ کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مطمئن۔

یہ تھا سلوک محمدؐ کا کفار کے ساتھ

رواداری اور حسن سلوک کا انتہائی مظاہرہ

حضورؐ جب انتہائی ظلم سہنے کے بعد آخر مجبور ہو کر مکہ سے نکل گئے تو آپ کے بعد مکہ میں سخت قحط پڑا۔ یہاں تک کہ کفار مکہ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے اور مکہ کا ہر گھر نالہ و فریاد کا مرکز بن گیا۔ . . . . . ابوسفیان کو اس موقع پر بہترین تدبیر سوجھی۔ مدینہ آیا۔ اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بڑی ہی بیباکی سے کہنے لگا: "محمدؐ! کیا تجھے یہ بات گوارا ہے کہ تو یہاں آرام سے بیٹھا رہے اور تیری قوم مکہ میں بھوک سے ہلاک ہو جائے۔ اپنے خدا سے دعا مانگ تا یہ مصیبت تیری قوم سے ٹل جائے۔"

جانتے ہو یہ قوم کون تھی؟ وہی جو حضورؐ کی جان کی دشمن اور خون کی پیاسی تھی مگر رواداری اور حسن سلوک کا یہ نمونہ دیکھنے کے قابل تھا کہ حضورؐ سرور عالم نے فوراً آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور اس کے بعد مکہ بدستور خوش و خرم تھا کیونکہ کافی بارش ہو گئی اور قحط دور ہو گیا۔

ایک گالیاں دینے والی کے لئے دعا

کفار کے ساتھ رواداری کی ایک ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کافرہ تھیں۔ اور جہالت اور جوش تعصب میں آنحضورؐ کو گالیاں دیا کرتی تھیں حضرت ابوہریرہؓ نے ایک روز نہایت دلگیر اور رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس میں شکایت کی۔ موقعہ تھا کہ حضور نہایت غیظ و غضب کا اظہار فرماتے۔ مگر بجائے اظہار غضب کے حضورؐ نے بڑے ہی سکون خاطر سے فرمایا "اے خدا اس کو ہدایت دے"۔ ابوہریرہؓ گھر پہنچے تو والدہ مسلمان ہو چکی تھیں۔

کافر ماں کے ساتھ نیکی کی تلقین

حضرت اسماءؓ کی والدہ مشرکہ تھیں۔ بیٹی کے پاس مکہ سے چل کر مدینہ آئیں اور کچھ مالی امداد کی خواستگار ہوئیں۔ بیٹی کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ میں ایک دشمن خدا اور رسولؐ کی اعانت کروں۔ حضورؐ سے آکر پوچھا۔ رحمت عالم نے پوری رواداری سے کام لیتے ہوئے ارشاد فرمایا "ان کے ساتھ نیکی کرو" (صحیح بخاری)

کافروں کو مسجد میں ٹھہرایا

۹ ؁ھ ہجری میں جب اہل طائف کا وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کے امیر الوفد عبد یالیل کو جو بت پرست اور سخت دشمنِ خدا و رسول تھا مع تمام وفد کے بکمال رواداری عین مسجد نبوی میں قیام کی اجازت دی۔ اور ان لوگوں کے لئے مسجد کے صحن میں خیمے نصب کرا دیئے۔ نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے۔ حضور صلعم نمازِ عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لاتے اور بہت دیر تک ان سے باتیں کرتے رہتے۔ مکہ میں سالہا سال جو جو تکالیف حضورؐ نے اٹھائی تھیں ان کا ذکر کرتے۔ غزوات اور سریات کا تذکرہ کرتے رہتے۔ غرض نہایت اخلاق و مروت کے ساتھ ان سے پیش آتے رہے۔ جانتے ہو آج جن لوگوں سے اتنی رواداری کا برتاؤ کیا جا رہا ہے وہ کون لوگ ہیں۔ وہی جنھوں نے پتھر مار مار کر خدا کے اس رسول کو اپنے شہر سے نکالا تھا جب وہ ان کو خدا کا پیغام سنانے تشریف لے گئے تھے۔

اکثر کافر حضورؐ کے ہاں مہمان رہتے

کافروں کے ساتھ حضورؐ کی رواداری اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ مدینہ میں یہ لوگ بلا تکلف حضورؐ کے مہمان ہوتے تھے۔ اور حضورؐ خوشی کے ساتھ ان کی مہمانداری فرماتے۔ اس مہمانداری میں بعض مشرک شرارتیں اور بدمعاشیاں بھی کرتے۔ مگر حضورؐ سب کچھ کمال تحمل اور بردباری سے برداشت کرتے۔ اور کبھی کوئی کلمہ شکایت کا ان کافر مہمانوں کے متعلق استعمال نہ کرتے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ خود کہتے ہیں کہ حالتِ کفر میں میں ایک روز حضورؐ کا مہمان رہا۔ اور گھر کی ساری بکریوں کا دودھ پی گیا۔ لیکن حضورؐ نے کچھ بھی نہ کہا۔ حالانکہ اس رات حضورؐ کا سارا گھرانہ بھوکا رہا۔ (مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۳۹۷)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک کافر جب حضورؐ کا مہمان ہوا تو حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے ایک بکری کا دودھ دوہ کر اُسے دیا وہ فوراً پی گیا۔ پھر حضورؐ نے دوسری بکری کا دودھ نکالا وہ بھی پی گیا۔ پھر تیسری کا۔ پھر چوتھی کا۔ یہاں تک کہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ باوجود اس کے حضورؐ نے ذرا بھی ملال یا غصہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ اسی رواداری اور تحمل کا نتیجہ تھا کہ صبح کو وہ کافر مسلمان تھا۔ (ترمذی)

ایک مرتبہ ایک کافر آپ کے ہاں مہمان ہوا۔ اور محض شرارت اور تکلیف پہنچانے کے لئے سارے گھر کا کھانا اکیلا کھا گیا اور گھر والے بھوکے سو رہے۔ رات کو اسے خوب دست آئے اور اس نے تمام بستر اور سارا کمرہ نجاست سے بھر دیا اور پھر مارے ڈر کے صبح ہونے سے پہلے نکل کر چل دیا۔ حضورؐ سویرے ہی آئے تو کمرہ کی یہ حالت دیکھی۔ صحابہؓ نے سخت اصرار کیا کہ لائیے ہم یہ کپڑے پاک کر دیں حضورؐ نے فرمایا وہ میرا مہمان تھا اور مجھے ہی انھیں پاک کرنا چاہئے۔ اتفاقاً وہ کافر اپنی تلوار چلتے ہوئے بھول گیا تھا راہ میں یاد آئی تو سوچا ایسے سویرے محمدؐ کہاں گھر سے آئے ہوں گے چلو لوٹ چلوں اور تلوار لے آؤں۔ یہ سوچ کر جب واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ حضورؐ خود کپڑوں سے نجاست دور کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے دیکھا تو کچھ بھی غصہ یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا صرف یہ فرمایا "میاں! تم اپنی تلوار بھول گئے تھے یہ لو اپنی تلوار" اور فوراً تلوار اٹھا کر اسے دیدی۔ رحمت و شفقت اور انتہائی رواداری کی یہ حیرت انگیز مثالیں کیا دنیا کے کسی اور انسان کی زندگی میں بھی ملتی ہیں؟

صلح حدیبیہ میں حضورؐ کا برتاؤ کفارِ مکہ سے

صلح حدیبیہ حضورؐ کی رواداری کی ایک خاص مثال ہے جو حضورؐ نے کفار مکہ سے برتی اگرچہ بظاہر دب کر حضورؐ نے صلح کی۔ مگر آنے والے زمانہ نے ثابت کر دیا کہ یہ عظیم الشان فتح تھی اور محض اس لئے کی گئی تھی کہ لوگوں کو امن و عافیت کی حالت میں رہ کر مذہب پر غور کرنے کا کافی موقع ملے۔ اور وہ لوگ بکثرت دینِ حق کو قبول کریں۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور جب صلح ہو کر لڑائیاں رک گئیں اور ملک میں امن ہو گیا تو اسلام نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ترقی کرنی شروع کی۔ رفتار کا اندازہ خود ہی لگا لو کہ ذی قعدہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کا شمار صرف ڈیڑھ ہزار تھا۔ اور اس کے قریباً پونے دو سال بعد رمضان ۸ھ ہجری میں فتح مکہ کے وقت دس ہزار قدوسی حضورؐ کے ہمرکاب تھے اگر صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ بے نظیر رواداری کفار مکہ سے نہ برتتے اور باوجود ان کی سختیوں اور بے انصافیوں کے نہایت خاموشی کے ساتھ

دب کر صلح نہ کرتے تو یہ عظیم الشان نتیجہ پیدا نہ ہوتا اور نہ خدا اس صلح کو فتحًا مُبِینًا کہتا۔

فتح مکہ کے وقت سب ظالموں کو معاف کردیا

اب آیئے فتح مکہ کی طرف۔ اور دیکھئے کہ جس قوم نے حضورؐ کی تذلیل و تحقیر کرنے آپ کو بدنام اور رسوا کرنے اور آپ کا مذاق اڑانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ جس قوم نے حضورؐ کو اور حضورؐ کے ساتھیوں کو انتہائی تکلیفیں پہنچانے میں ہمیشہ انتہائی خوشی محسوس کی جس قوم نے بارہا حضورؐ پر پتھروں اور سنگریزوں کی بارش کی۔ جس قوم نے تین سال تک آپ کا دانہ پانی بالکل بند رکھا۔ نہ کوئی آپ کے پاس آسکتا تھا نہ آپ کسی کے پاس جاسکتے تھے۔ نہ کوئی آپ سے بات کرنے پاتا تھا اور نہ آپ کو کوئی سودا سلف دیتا تھا۔ جس قوم نے آپ کے راستہ میں بارہا کانٹے بچھائے۔ جس قوم نے آپ کا گلا گھونٹا ایسا کہ آنکھیں اُبل پڑیں۔ جس قوم نے خدائے واحد کی عبادت کے وقت اونٹ کی اوجھڑی آپ پر رکھدی۔ جس قوم نے آپ کے غریب ساتھیوں کو سخت دھوپ میں گرم پتھروں پر لٹا لٹا کر سزائیں دیں۔ جس قوم نے آپ کے پیرووں کو نیزے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ جس قوم نے سارے عرب میں ایک مجنون اور پاگل کے نام سے آپ کو شہرت دی۔ جس قوم نے بارہا آپ کے قتل کے منصوبے باندھے۔ جس قوم نے انتہائی شقاوت کے ساتھ آپ سے اپنا وطن چھڑوایا۔ جس قوم نے مدینہ میں آپ کو آرام اور چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ جس قوم نے بیسیوں مرتبہ لشکر لیکر آپ کو ہلاک کرنے کی کوششیں کیں۔ جس قوم نے مکہ میں بیٹھ کر آپ کے قتل کرنے کو مدینہ آدمیوں کو بھیجا۔ جس قوم نے آپ کے خلاف تمام عرب میں ایک آگ لگادی۔ جس قوم نے آپ کو بڑی سے بڑی تکلیف پہنچانے کا کوئی خفیف سا خفیف موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ جب ایسی قوم پر آپ کو نصرت اور فتح حاصل ہوئی اس وقت آپ نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ فتح مکہ اس سوال کا عملی جواب ہے۔ اہل مکہ کو کیا خبر تھی کہ آج ہم جس پتھر کی ٹھوکریں دے رہے ہیں ایک دن آئے گا جب وہ کونے کا پتھر ثابت ہوگا جس پر وہ گرے گا اُسے بھسم کردے گا اور جو اس پر گریگا

اس کا ستیاناس ہوجائے گا۔

جب مکہ فتح ہوگیا اور خدائی نوشتہ کے مطابق دس ہزار قدوسی اس میں داخل ہوگئے تو کفارانِ مکہ کی آنکھوں کے آگے موت اپنی بھیانک صورت کے ساتھ پھرنے لگی۔ ان کو اپنے سیاہ اعمال نامے میں وہ گہرے گہرے غار نظر آنے لگے جن میں کا ہر ایک ان کو جہنم کے نیچے کے طبقہ میں پہنچانے کے لئے کافی تھا۔ ان کو ایک ایک کرکے وہ ہولناک مظالم یاد آنے لگے جو انھوں نے اس شہنشاہ امن کے ساتھ حالت غربت میں کئے تھے۔ تمام اہل مکہ کی جانیں اب محمدؐ کی مٹھی میں تھیں اور ہر متکبر کا سر آمنہ کے یتیم کی ایڑی کے نیچے تھا۔ بڑے بڑے ائمۃ الکفر اور جبارانِ قریش جانوں کے خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اور زمین و آسمان میں ان کو اس وقت کوئی بھی اپنا ہمدرد اور مددگار دکھائی نہ دیتا تھا جس وقت سردار دو عالمؐ کی پرجلال اور با ہیبت آواز ان کے کانوں میں پڑی کہ "اے اہل مکہ آؤ اور میری بات سنو" تو مارے خوف کے خون جسموں میں جم کر رہ گئے اور سوچنے لگے کہ ع

جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر

سب دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سننے کے لئے میدان میں جمع ہوئے۔ اس وقت ان کی حالت بالکل اس مجرم جیسی ہو رہی تھی جس کو پھانسی کا حکم مل چکا ہو اور جلاد اسے کشاں کشاں مقتل کی طرف لیجا رہے ہوں۔

یکایک حضورؐ نے نہایت پُر رعب لہجے میں ان سے پوچھا "اے جمع ہونے والو! جانتے ہو آج میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں" یہ سننا تھا کہ ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

سب کے چہروں پر موت کی مردنی چھا گئی۔ اور بڑے بڑے بہادر جان کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر سرورِ عالمؐ مسکرائے اور فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ (تمہارے جرم معاف کر دیئے گئے جاؤ اب تم آزاد ہو)۔

غیر مسلموں، کافروں، قاتلوں اور جانی دشمنوں کے ساتھ یہ مہربانی، یہ رواداری اور یہ

احسان خدا کی قسم رہتی دنیا تک اپنا نظیر نہیں لا سکتا۔ ع

کوئی بتلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

متعصب اور ہٹ دھرم انسان کہتا ہے کہ اسلام تلوار کا رہین منت ہے۔ ذرا سوچو تو سہی فتح مکہ سے بڑھکر جبراً مسلمان کرنے کا اور کونسا موقع تھا جبکہ تمام ساکنینِ مکہ کی جانیں محض حضورؐ کے رحم پر موقوف تھیں۔ لیکن کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جو ثابت کر سکے کہ اس موقع پر کسی ایک انسان کو بھی جبر سے مسلمان بنایا گیا ہو۔

۲۔ اہلِ کتاب سے حضورؐ کا سلوک

ا۔ یہودیوں کے ساتھ برتاؤ

کفارِ مکہ کے ساتھ حضورؐ کے روادارانہ سلوک کی ایک مخالف یہ تاویل کر سکتا ہے کہ وہ آپ کی اپنی قوم تھی۔ خواہ کتنی بھی دشمنی ہو پھر بھی کچھ نہ کچھ رشتہ داری کا خیال آ ہی جاتا ہے۔ اگرچہ خدا پرستی اور بت پرستی کے درمیان جو بعد المشرقین ہے وہ اس تاویل کو جائز نہیں ٹھیرا سکتا۔ لیکن بہرحال نکتہ چین کی زبان کون پکڑ سکتا ہے مگر بتایا جائے کہ یہود و نصاریٰ سے حضورؐ کا کونسا رشتہ داری کا تعلق تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جو سلوک حضورؐ کا کفارِ مکہ کے ساتھ تھا وہی روادارانہ برتاؤ مدینہ کے یہود و نصاریٰ کے ساتھ تھا بلکہ شاید کچھ زیادہ۔ حالانکہ خفیہ سازشیں کرنے۔ علانیہ جنگ کرنے۔ بغاوت کے منصوبے باندھنے۔ آپ کو زہر دینے۔ آپ کی شہادت کی تدبیریں سوچنے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں یہ لوگ کفارِ مکہ کے سگے بھائی تھے۔ مگر رحمت للعالمین کا دستِ شفقت و رحمت ان سے روادارانہ برتاؤ کرنے میں اس امر کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ نہ کبھی حضورؐ نے اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ لیا۔ نہ روادارانہ برتاؤ کرنے میں دشمن کے تاریک اعمالنامے پر نظر ڈالی۔ خدا کی ہزارہا ہزار رحمتیں نازل ہوں اس پیکر رحمت پر۔

حضور علیہ السلام محض تالیفِ قلوب کے لئے اور اپنی طرف سے انتہائی رواداری برتتے ہوئے معاشرت کی اکثر باتوں میں یہودیوں کی رسومات کے ساتھ اتفاق فرماتے تھے۔ اور مذہب کے لحاظ سے جو عزت اور وقعت ان کو حاصل تھی اسے برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ وکان یحب موافقۃ اھل الکتاب فیمالم یومر فیہ بشئ (جن امور میں خدا تعالیٰ کا کوئی خاص حکم نہ ہوتا تھا آنحضورؐ کو ان میں اہل کتاب کی موافقت پسند تھی) عام معاشرت میں حضورؐ کی اہل کتاب سے موافقت کی دو تین مثالیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ مدینہ میں تشریف آوری کے بعد حضورؐ نے دیکھا کہ اہل کتاب یوم عاشورہ (محرم کی دسویں تاریخ) کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے بھی ارشاد فرمایا کہ لوگ اس دن روزہ رکھا کریں۔ (بخاری)۔

۲۔ عرب بالوں میں مانگ نکالا کرتے تھے۔ مگر یہودی ایسا نہ کرتے تھے بلکہ بالوں کو ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے۔ حضورؐ نے دیکھا تو خود بھی ایسا ہی کرنے لگے۔

۳۔ قبلہ کے متعلق جب تک خدا تعالیٰ کا خاص حکم نازل نہیں ہوا۔ آپ برابر بیت المقدس ہی کی طرف منہ کرکے نماز ادا فرماتے رہے جو یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا۔ مدینہ میں تشریف لانے کے قریباً سولہ مہینے بعد بیت الحرام مسلمانوں کا قبلہ مقرر کیا گیا۔

حضورؐ اتنا زیادہ روادارانہ سلوک یہود سے کرتے تھے کہ اکثر حضورؐ کو نہایت ناگوار اور تلخ باتیں بھی سننی پڑتیں۔ اور اکثر مرتبہ یہود حضورؐ سے نہایت گستاخانہ طریقہ پر پیش آتے لیکن حضورؐ نرمی اور ملائمت کرتے اور ان کی بد طینتی کا خیال نہ فرماتے۔

۱۔ یہود نے اپنی یہ عادت اختیار کر لی تھی کہ جب دربار رسالت میں حاضر ہوتے تو کہتے "یا محمدؐ السام علیکم" (تم پر موت آئے)۔ وہ سمجھتے کہ السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہہ جائیں گے تو حضورؐ سمجھ نہیں سکیں گے کہ مجھے بجائے دعا کے بد دعا دی ہے۔ مگر حضورؐ نرمی اور خندہ پیشانی کے ساتھ صرف یہ جواب دیتے "وعلیکم" (تمہیں پر) روزانہ یہی دستور تھا۔ ایک دن عائشہ صدیقہؓ کے سامنے بھی انھوں نے یہ منحوس سلام کیا۔ بھلا صدیقہؓ کو کہاں تاب تھی۔ کہنے لگیں و علیکم تم پر خدا کی مار

تم ہی پر موت آئے" حضورؐ نے بیوی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے فرمایا" عائشہؓ نرمی سے بولو۔ خدا ہر بات میں نرمی کو پسند کرتا ہے"

۲۔ ایک مرتبہ بازار میں حضرت موسیٰؑ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک یہودی نے ان کو حضور صلعم پر ترجیح دی۔ ایک مسلمان کو جو غصہ آیا تو اس نے یہودی کے ایک تھپڑ مارا۔ یہودی سیدھا حضورؐ کے پاس پہنچا۔ آپ نے مسلمان کو طلب فرما کر ایسی حرکت پر سرزنش کی۔

حضورؐ یہود کے ساتھ باوجود ان کی تمام بدذاتیوں اور شرارتوں کے ایسے حسن سلوک اور روادارانہ برتاؤ سے پیش آتے تھے کہ آج لوگ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بھی اس طرح پیش نہیں آتے۔ اور حضور کا یہ حسن سلوک معززا ور اعلیٰ طبقہ کے یہودیوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ بالکل معمولی آدمیوں حتیٰ کہ غلاموں تک سے حضورؐ کا یہی برتاؤ تھا۔ چنانچہ بخاری میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی یہودی غلام مرض الموت میں گرفتار ہوا تو اسے پوچھنے کے لئے اس کے مکان پر تشریف لے گئے ایک دفعہ کوئی یہودی لڑکا بیمار ہوا تو اس کی عیادت کو بھی حضورؐ تشریف لے گئے اور مزاج پرسی کے بعد حضورؐ نے اس سے اسلام قبول کرنے کے لئے فرمایا۔ لڑکے نے باپ کی طرف دیکھا باپ نے جو حضورؐ کے اس روادارانہ برتاؤ سے بیحد متاثر تھا کہا جو کچھ محمدؐ کہتے ہیں مان لو۔ لڑکا فوراً مسلمان ہوگیا۔

یہودیوں کی دعوت بھی آپ بلا تامل منظور فرما لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک یہودیہ نے تو اس بہانے سے آپ کو گھر بلا کر زہر آمیز گوشت کھلانے کی بھی کوشش کی تھی تاکہ کھاتے ہی آپ کا کام تمام ہوجائے مگر "یعصمک من الناس" اس ہستی کا وعدہ تھا جو قادرؐ علی کل شی ہے۔ اور جس کی اجازت کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔

آپ نے رواداری کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے۔ نکاح اور معاشرت کی عام اجازت مسلمانوں کو دی اور ان کے لئے مخصوص امتیازی احکامات جاری فرمائے جو نہایت تفصیل کے ساتھ کتب احادیث میں مذکور ہیں۔

زندوں کے علاوہ آپ کی رواداری یہود کے مُردوں تک پر حاوی تھی۔ چنانچہ آپ کسی

یہودی کا جنازہ دیکھتے اور بیٹھے ہوتے تو کھڑے ہو جاتے (بخاری)۔

جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں یہود بکثرت آباد تھے۔ حضور نے آتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے آپس کے تعلقات خوشگوار بنانے کے لئے دونوں کو بلایا اور فرمایا کہ اگر دونوں قومیں ایک دوسرے کا پاس لحاظ کریں، ایک دوسرے سے رواداری کے ساتھ پیش آئیں، ایک دوسرے کی مشکل کے وقت امداد و اعانت کریں۔ غرض آپس میں شیر و شکر ہو کر رہیں تو یہ امر دونوں قوموں کی بہبودی اور ترقی کا ذریعہ ہوگا۔ شہر میں امن و امان رہیگا۔ اور کسی طرح کا جھگڑا قضیہ پیدا نہیں ہوگا۔ چنانچہ یہود نے حضور کی اس تجویز کو منظور فرمالیا۔ اور دونوں قوموں کے درمیان جو عہدنامہ لکھا گیا وہ ابن ہشام میں مفصل مذکور ہے۔ ہم یہاں اس کی چند دفعات خلاصہ کے طور پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) تمام یہودیوں کو شہریت کے وہی حقوق حاصل رہیں گے جو اسلام سے پہلے انھیں حاصل تھے۔

(۲) مسلمان تمام لوگوں سے دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

(۳) اگر کوئی مسلمان کسی غیر لی کے ہاتھ سے مارا جائے تو بشرط منظوری ورثا قاتل سے خونبہا لے لیا جائیگا۔

(۴) باشندگانِ مدینہ میں سے جو شخص کسی سنگین جرم کا مرتکب ہو اس کی سزا صرف اسی شخص کو دیجائیگی اس کے اہل و عیال سے اس کی سزا کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

(۵) موقع پیش آنے پر یہودی مسلمانوں کی مدد کریں گے اور مسلمان یہودیوں کی۔

(۶) حلیفوں میں سے کوئی فریق اپنے حلیف سے دروغ گوئی نہیں کرے گا۔

(۷) مظلوم اور ستم رسیدہ شخص کی خواہ کسی قوم سے ہو مدد کی جائیگی۔

(۸) یہود پر جو بیرونی دشمن حملہ آور ہوگا تو مسلمانوں پر ان کی امداد لازمی ہوگی۔

(۹) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہب سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا۔

(۱۰) مسلمانوں میں سے جو شخص ظلم یا زیادتی کریگا تو مسلمان اسے سزا دیں گے۔

(۱۱) بنی عوف کے یہودی مسلمانوں ہی میں شمار ہوں گے۔

(۱۳) یہودیوں اور مسلمانوں میں جس وقت کوئی قضیہ پیش آئیگا تو اس کا فیصلہ رسول اللہ کرینگے۔

(۱۴) یہ عہدنامہ کبھی کسی ظالم یا خاطی کی حمایت نہیں کریگا۔ ؎۱

دیکھا آپ نے۔ آنحضورؐ نے کس فیاضی اور انصاف کے ساتھ یہود کو مساویانہ حقوق دیئے ہیں اور کس طرح ان سے رواداری برتاؤ کرنے میں پہل کی ہے۔

ب۔ عیسائیوں کے ساتھ برتاؤ

سنہ میں وفدِ نجران حضورؐ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ نجران مکہ معظمہ اور یمن کے درمیان ایک علاقہ ہے جو عیسائیوں سے آباد تھا۔ یہ علاقہ اپنے ایک عظیم الشان کلیسا کی وجہ سے تمام عرب میں مشہور تھا جسکو عیسائی حرم کعبہ کا مدمقابل سمجھتے تھے۔ یہ وفد ساٹھ بڑے بڑے پادریوں پر مشتمل تھا۔ حضورؐ نے ان کو بھی صحن مسجد میں اُتارا۔ انکی نماز کا وقت آیا تو حضورؐ نے مسجدِ نبوی ہی میں ان کو شریعت موسوی کے مطابق بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی اور انھوں نے جمعیت خاطر کے ساتھ نماز ادا کی۔ دیکھئے یہ کتنی بڑی رواداری ہے جو حضورؐ نے ان کے ساتھ روا رکھی۔ گویا یہ اجازت دیکر حضورؐ نے تمام دنیا کی مساجد کو ہمیشہ کے لئے تمام مذاہب کے واسطے خدا کی عبادت کے لئے کھولدیا اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے قرآن مجید میں سخت وعید ایسے لوگوں کے لئے آئی جو کسی رنگ میں کسی انسان کو مساجد میں ذکر اللہ سے روکیں۔

یہ وفدِ نجران وہی ہے جس کے ساتھ بحث کے درمیان میں حضورؐ پر آیتِ مباہلہ نازل ہوئی تھی۔ آنحضورؐ نے جو معاہدہ اس وفد سے کیا اس کا ایک ایک لفظ حضورؐ کی اعلیٰ درجہ کی رواداری اور فیاضی کو ظاہر کر رہا ہے معاہدہ کی عبارت فتوح البلدان بلاذری میں تمام وکمال درج ہے یہاں اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

"یہ معاہدہ ہے محمد خدا کے رسول اور اسقف ابوالحارث کے درمیان نجران کے دیگر اسقفوں کاہنوں، پادریوں، پیروؤں، غلاموں اور عام عیسائیوں کے متعلق اور ان اشیاء کے متعلق بھی جو اس وقت ان کے قبضہ میں ہیں۔ ان سب کو خدا اور اس کے رسول کی حفاظت حاصل ہوگی۔ علاقہ نجران کے گرجاؤں کے کسی چھوٹے یا بڑے عہدیدار کو نہ برخاست کیا جائیگا نہ

؎۱ ترجمہ ابن خلدون ج ۲ ص ۵۰، سیرۃ ابن ہشام ص ۱۲۶۔ سیرۃ النبی شبلی ج ۱ ص ۲۸۵۔

تبدیل کیا جائے گا۔ نہ ان کے حقوق یا فضیلات میں کسی قسم کی مداخلت کی جائیگی۔ نہ گرجاؤں اور پادریوں کی موجودہ حالت میں کسی قسم کا تغیر کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ رعایا کے خیر خواہ اور خیر اندیش رہیں نہ ظالم کا ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں۔" (ص ۱۴۹)

نجران کے اس بڑے وفد کے آنے سے کچھ دنوں پہلے تین آدمیوں کا ایک چھوٹا سا وفد اور حضورؐ کی خدمت میں نجران ہی سے آیا تھا اس کو جو معاہدہ حضورؐ نے لکھ کر دیا اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"اہلِ نجران کو خدا اور محمد رسول اللہ کی حفاظت حاصل ہوگی۔ تمام حاضر و غائب اہلِ نجران کی جانیں، مذہب، زمین اور مال محفوظ رہیں گے۔ ان کی حالت اور ان کے حقوق میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی جو مال ان کے پاس ہے وہ ان کے قبضہ سے نہیں نکالا جائیگا۔ نہ گذشتہ زمانہ کے شبہات اور قتل کے مقدمے ان پر چلائے جائیں گے۔ باشندے بیگار میں نہیں پکڑے جائیں گے۔ ان سے رسد یا زمین کی پیداوار وصول نہیں کی جائیگی۔ ان کے علاقہ سے فوج نہیں گذریگی۔" (فتوح البلدان بلاذری)

دونوں معاہدوں کو ملا کر پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ معاہدے لکھتے وقت حضورؐ نے رواداری، فیاضی اور سیر چشمی کی انتہا کر دی، ان سب معاہدوں سے حضورؐ کا مطلب صرف یہی تھا کہ دنیا سے فساد، شر، بغاوت اور فتنہ مٹ جائے۔ امن و سکون، عافیت اور ضمیر کی آزادی انسان کو مل جائے۔ آدمی چاہے جس مذہب پر رہے اس پر کوئی جبر، سختی اور ظلم مذہب کے بارے میں نہ ہو۔ وہ جس مذہب اور جس مشرب کو حق اور اعلیٰ سمجھے اسے اختیار کرنے میں اس کو کوئی روک حائل نہ ہو۔

خاتمہ | یہ نہایت مختصر بیان اس رواداری، اس حسن سلوک، اس مہربانی، اس عالی ظرفی اور اس فیاضی کا جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں سے پیش آتے تھے اور یہ ہیں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ حقوق جو غیروں کو حضورؐ نے اس وقت مرحمت فرمائے جب حضورؐ برسرِ اقتدار تھے اور یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا کہ آپ پر انہی لوگوں نے ہر قسم کے مظالم کی انتہا کر دی تھی۔ اور اگر ان لوگوں کا بس چلتا تو صفحۂ ہستی سے اسلام اور حاملِ اسلام کا نام و نشان مٹا دیتے۔ خدا کے ہزاروں ہزار درود و سلام ہوں اس ذات اقدس پر جس نے ہمارے سامنے زندگی کا ایسا اعلیٰ معیار اور اخلاقِ فاضلہ کا ایسا کامل نمونہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضورؐ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔